محمود، فاروق، فرزانہ
اور — انسپکٹر جمشید سیریز
کالی آنکھ
اشتیاق احمد

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اتفاق سے میں شب قدر پاؤں تو اس شب کو کیا دُعا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ دُعا کر: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ یعنی اے مالک: تُو بڑا معاف کرنے والا ہے اور دوست رکھتا ہے معافی کو، تُو مجھ کو معاف کر دے۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۱۴، حدیث نمبر ۷۴۰

...ل کے لیے

نیا ادب

...یرت، تجسس اور سراغرسانی کے انوکھے رنگ

اس ناول کے نام، واقعات اور کردار سب فرضی ہیں
کسی قسم کی مماثلت کے لیے ادارہ یا مصنف ذمہ دار نہ ہوں گے

نام ناول.......................کافا سارے
ناشر.......................اشتیاق احمد
تزئین.......................محمد سعید نامدار
سرکولیشن.......................محمد یار میجر
کمپوزنگ.......................دانیال کمپوزرز، جھنگ
قیمت.......................90/روپے

...نے شکیل پرنٹرز سے چھپوا کر انداز بک ڈپو لاہور سے شائع کیا

9/12 نصیر آباد، ساندہ کلاں، لاہور
فون-7112969

انداز

...ب آفس: بازار لوہاراں۔ جھنگ صدر
فون: 614295-613295
اسٹاکسٹ: رفیق مغل نیوز ایجنسی۔ ہسپتال روڈ۔ لاہور
محبوب بک ڈپو۔ اردو بازار لاہور

دو باتیں

السلام علیکم! اس بار آپ "کافا سارے" پڑھ رہے ہیں، لیکن اگر آپ اس کا نام "کافا جارے" رکھ لیں تو بہتر رہے گا، میں ایسا نہیں کر سکتا، جی ہاں! اس لیے کہ سرورق "کافا سارے" کے نام سے چھپ چکا ہے...

سلاٹر کی آخری کاپی دفتر سے غائب ملی ہے، لہٰذا سلاٹر اس مجموعے میں شامل نہیں کیا جا سکا... اس کی جگہ "جاپانی فتنہ" شامل کیا گیا ہے۔ جاپانی فتنہ بھی اپنی نوعیت کا بہت اہم ناول ہے۔

اب کچھ باتیں آئندہ خاص نمبر کی... جی ہاں لیجیے... جس خاص نمبر کا ذکر میں نے کئی ماہ پہلے شروع کیا تھا... وہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں... آپ اس ناول کو ذرا سنبھل کر پڑھیے گا۔ اور ہاں! اب آپ ہر ماہ نیا ناول پڑھیں گے... آج کل کے حالات میں 400 صفحات سے کم کا ناول شائع کرنا اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنا ہے... اور میرا خیال ہے کہ آپ ایسا نہیں چاہتے ہوں گے، لہٰذا ہر ماہ آپ کو قریباً چار سو صفحات کا ناول خریدنا پڑے گا... میں اگر چار سو صفحات پورے نہ کر سکوں گا تو ساتھ ہی کوئی ایک آدھ یا دو خاص قسم کے پرانے ناول لگا دیا کروں گا۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے... ویسے تو مجھے اندازہ ہے... آپ کا اندازہ ہونا میرے لیے کوئی مشکل بات نہیں، اس لیے کہ برسوں سے آپ سے واسطہ ہے... کچھ ناک بھوں چڑھائیں گے... کچھ کہیں گے کہ ٹھیک ہے... کچھ حیرت کا اظہار کریں گے کہ کمال ہے... اب ہر ماہ چار سو صفحات کا ناول لکھنا آپ کے لیے مشکل ہو گیا ہے... یہ کیسے ممکن ہے... یہ کہانی پھر سہی...

فقط

اشتیاق احمد

سوٹ کیس

محمود اور فاروق نیشنل پارک میں موجود تھے۔ ان دنوں موسم بہار کی چھٹیاں منا رہے تھے، سکول کا کام یہیں بیٹھ کر کیا کرتے، کیونکہ گھر میں فرزانہ کے ساتھ جو نوک جھونک شروع ہوتی تو پھر ختم ہونے کا نام نہ لیتی۔ فرزانہ پر ان دنوں ایک نیا بھوت سوار ہوا تھا، وہ اپنی بلی سوئی کو دشمن پر جھپٹ پڑنے کی تربیت دے رہی تھی، دشمن کے طور پر اس نے کپڑے کا ایک سیاہ پوش بنایا تھا اور اس میں بھس بھر دیا تھا، مضبوط دھاگوں کے ذریعے سے وہ اسے کنٹرول کرتی، ایک دھاگے کو اشارہ کرتی تو کپڑے اور بھس کا سیاہ پوش اس پر جھپٹتا نظر آتا، اسی وقت وہ بلی کو خبردار کرنے کے لیے سیٹی بجاتی اور وہ تیر کی طرح اس سیاہ پوش پر ٹوٹ پڑتی، اس کے نوکیلے پنجے اس کی آنکھوں میں کھب جاتے۔ فرزانہ کا خیال تھا کہ ضرورت پڑنے پر بلی سچ مچ کے دشمن پر بھی حملہ آور ہو گی اور یہ کہ اب ان کی بلی کتے سے بھی زیادہ خطرناک ہو چکی ہے، ان کے لیے نہیں دشمنوں کے لیے۔

دونوں اس وقت سکول کے کام سے فارغ ہو چکے تھے اور بیٹھے فرزانہ کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے، فرزانہ کا دماغ چل گیا ہے۔" محمود کہہ رہا تھا۔

"پھر تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا دماغ کھوٹا نہیں ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوئی؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھئی کھوٹا سکہ نہیں چلتا نا جب کہ تمہارے خیال کے مطابق اس کا دماغ چل گیا ہے۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔ "میں سکے کی نہیں، دماغ کی بات کر رہا ہوں، سکے اور دماغ میں بہت فرق ہے۔"

"ہو گا، لیکن اگر سکے موجود ہوں، تو لوگ دماغ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ سکے ہوں تو کئی دماغ خریدے جا سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"تم اپنا دماغ کتنے میں بیچتے ہو۔" فاروق نے جل کر کہا

"کیا تمہارا ارادہ دماغوں کا کاروبار کرنے کا ہے۔" محمود نے بھی اسی کے انداز میں پوچھا۔

"دماغوں کا کاروبار... بھئی واہ، آج تک شاید کسی نے یہ

کاروبار نہیں کیا ہو گا، کیا خیال ہے، ہم دونوں مل کر یہ شروع کر دیں۔" فاروق نے معصومانہ انداز میں کہا۔

"نہیں! فرزانہ ناراض ہو جائے گی، کہے گی اکیلے اکیلے ہی کاروبار شروع کر دیا۔" محمود نے انکار میں سر ہلایا۔

"تو اسے بھی ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"وہ لڑکی ہے اور لڑکیاں دکانوں پر نہیں بیٹھا کرتیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ہائیں... تو کیا ہم دماغوں کی دکان کھولیں گے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر دکان نہیں کھولو گے تو کیا گھر میں بیٹھ کر کاروبار کرو گے، پھر تو کر چکے کاروبار!" محمود نے منہ بنایا۔

"اوہ! لیکن ہم دکان کہاں سے لائیں گے۔" فاروق نے پوچھا۔

"کہیں سے لانے کی کیا ضرورت ہے، ہم خود دکان کے پاس چلے جائیں گے۔" محمود مسکرایا۔

"بہت اونچے اڑ رہے ہو۔ میرے کان کاٹنے کی فکر میں تو نہیں ہو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"تمہارے کان شہد کے بنے ہوئے نہیں، نہ ہی یہ سونے کے ہیں۔"

"یعنی اگر یہ شہد کے بنے ہوتے یا سونے کے ہوتے تو تم انہیں

کاٹ لیتے۔" محمود نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا، شاید میں ایسا کر ہی بیٹھتا۔" فاروق بولا۔

"کیا ہم اوٹ پٹانگ باتیں نہیں کر رہے؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"کر تو رہے ہیں، لیکن یہ کون سی نئی بات ہے، یہ تو ہمارا روز کا معمول ہے۔"

"کام ہم کر چکے ہیں، کیوں نہ اب گھر چلیں۔" محمود نے کہا۔

"ابھی ابا جان نہیں آئے ہوں گے، باغ تمہیں کاٹ تو نہیں رہا؟" فاروق نے کہا۔

"باغ تو نہیں، تمہاری باتیں ضرور کاٹ رہی ہیں۔"

"میری باتیں سانپ یا بچھو نہیں... ارے، ذرا اس بے وقوف کو دیکھنا، اونٹ کی طرح منہ اٹھائے اندر چلا آ رہا ہے۔" فاروق نے چونک کر کہا۔

"مجھے بے وقوفوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"اچھا، مجھے آج ہی معلوم ہوا، میں فرزانہ کو بتا دوں گا۔" فاروق مسکرایا۔

"شکریہ! ضرور بتا دینا۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"تم نے اس کی طرف نہیں دیکھا، اس کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس ہے اور وہ سوٹ کیس کو اس طرح پکڑے ہوئے ہے، جیسے اس میں سے سانپ نکل آئے گا اور اسے ڈنگ ہی

تو مار دے گا۔"

"ہو گا، ہمیں کیا۔" محمود نے بیزاری سے کہا۔

"خیر تو ہے، بہت اکتائے ہوئے ہو، حالانکہ ایسی باتوں کی طرف عام طور پر تم مجھے متوجہ کیا کرتے ہو۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں تنگ اس لیے آ گیا ہوں کہ ہر بلا ہمارے ہی سر آ پڑتی ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اب اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں، اس وقت بھی سوٹ کیس والے کا رخ ہماری طرف ہے۔"

"اوہ!" محمود کے منہ سے نکلا۔

اس نے سر اوپر اٹھایا تو سوٹ کیس والا آتا نظر آیا، وہ سڈول سے جسم والا آدمی تھا، چہرہ خاصا موٹا نظر آ رہا تھا اور چہرے پر بڑی بڑی سی مونچھیں بھی تھیں، بہت بوکھلایا ہوا دکھائی دے رہا تھا، یوں جیسے چوری کر کے بھاگا ہو۔

دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے، عین اسی وقت سوٹ کیس والا تقریباً گرنے کے انداز میں ان سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

○

وہ اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے سیکڑوں میل سے دوڑ کر

چلا آ رہا ہو۔ چند لمحے تک وہ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے،
آخر فاروق نے کہا۔

"خیریت تو ہے جناب! آپ بہت بوکھلائے ہوئے دکھائی
دے رہے ہیں۔"

"ہم ۔۔۔ میں نہ صرف بوکھلایا ہوا ہوں بلکہ گھبرایا ہوا بھی ہوں،
لیکن میں تمہیں کیا بتاؤں، میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا
کروں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے، ہم آپ کی مدد کر ہی گزریں، آپ بات تو
بتائیے۔" محمود نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں خیرآباد سے آ رہا ہوں، گھر
سے ایک سوٹ کیس لے کر چلا تھا، یہاں آ کر سٹیشن پر اُترا،
قلی کو سوٹ کیس اٹھانے کے لیے کہا، اس نے سوٹ کیس اٹھایا،
اور میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا، باہر آ کر اس نے سوٹ کیس
نیچے رکھ دیا اور اپنی مزدوری لے کر چلا گیا، میں نے ایک
ٹیکسی روکی، ٹیکسی ڈرائیور نے سوٹ کیس اٹھا کر اوپر رکھا تو
میں بُری طرح چونکا، کیونکہ سوٹ کیس وہ نہیں تھا جو میں گھر
سے لے کر چلا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ قلی غلط سوٹ کیس
اٹھا لایا تھا، میں کاروباری آدمی ہوں، یہاں اکثر آتا رہتا ہوں،
اور ہوٹل نور افشاں میں ٹھہرا کرتا ہوں، لیکن جب میں نے دیکھا کہ

سوٹ کیس بدل گیا ہے تو نور افشاں سے پہلے ہی اُتر گیا تاکہ پہلے
اس سوٹ کیس کو کھول کر دیکھ لوں، اس میں کوئی غلط چیز تو
نہیں، یہی سوچ کر میں اس پارک میں چلا آیا، ٹیکسی ڈرائیور
سے میں نے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ سوٹ کیس بدل گیا ہے، وہ
شک میں پڑ جاتا کہ نہ جانے کیا معاملہ ہے اور اب میں پریشان
ہوں، خدا جانے اس میں کیا ہے، دوسرے میرے اپنے سوٹ
کیس میں کافی قیمتی چیزیں تھیں۔" وہ ساری بات تفصیل سے بتا گیا۔

"پھر تو آپ کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں، آپ کو
چاہیے تھا کہ سیدھا ریلوے پولیس اسٹیشن چلے جاتے اور سوٹ
کیس ان کے حوالے کر دیتے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے ایسا کرنے کے بارے میں سوچا تھا، لیکن پھر ڈرا
کہ کہیں اس میں کوئی غلط چیز نہ ہو اور میں کسی مصیبت میں
مبتلا نہ ہو جاؤں، فرض کیجیے، اس میں چرس، افیون یا اس
قسم کی کوئی غیر قانونی چیز ہو تو کون یقین کرے گا کہ سوٹ
کیس بدلنے کی بات صحیح ہے، سب یہی کہیں گے کہ میں
اپنی جان بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہوں۔" اس نے جواب
میں کہا۔

"اوہ! آپ ٹھیک کہتے ہیں، خیر۔۔۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں۔"
فاروق بولا۔

بتا ہی چکا ہوں کہ خیر آباد سے آیا ہوں، وہاں چنگیزی محلے میں رہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"اور کام کیا کرتے ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"جنرل سٹور ہے میرا، خیر آباد کی مین مارکیٹ میں۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب، میرا نام محمود ہے اور یہ فاروق۔ چلیے اب سوٹ کیس کھولیے۔" محمود نے کہا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا، کہاں رہتے ہو۔"

"گرین روڈ پر گلی نمبر تین، مکان نمبر سات، ہم کوئی کام نہیں کرتے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ بالکل بیکار رہتے ہیں، مطلب یہ کہ پڑھتے ہیں۔" فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا جیسے سکول میں رٹا ہوا کوئی سبق دہرا رہا ہو۔

"بہت خوب! اب سنیے، میرا سوٹ کیس اسی رنگ اور ڈیزائن کا تھا، میں گھر سے اس میں صرف کپڑے رکھ کر چلا تھا اور وہ کچھ زیادہ وزنی نہیں تھا جب کہ یہ . . ."

"بہت وزنی ہے، یہی کہنا چاہتے ہیں آپ؟" فاروق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں! یہ بہت وزنی ہے اور اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں نے اسے ٹیکسی کی چھت سے اتارا۔" اس نے کہا۔

"میں . . . میں یہ چاہتا ہوں کہ اس جگہ اسے کھول کر دیکھ لوں۔ ہو سکتا ہے، اس میں کوئی ایسی ویسی چیز نہ ہو اور اصل مالک کا پتا اندر سے مل جائے، اس صورت میں میں یہ اس تک پہنچا دوں گا اور اپنا سوٹ کیس اس سے لے لوں گا۔"

"بہت خوب! آپ نے اب اس واقعے کے دو گواہ پیدا کر لیے ہیں، آپ فکر نہ کریں، اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو ہم گواہی دیں گے کہ آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"تمہاری گواہی کو کون اہمیت دے گا۔" اس نے انہیں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کو بعد میں معلوم ہوگا کہ کوئی اہمیت دیتا ہے یا نہیں، چلیے اب اس کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھیے۔" فاروق نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ آپ ڈھکنا کھولیں، ہم آپ کا نام جاننا چاہتے ہیں اور اگر اپنا پتا بھی بتا دیں تو اور بھی اچھا ہے۔" محمود جلدی سے بولا۔

"کیوں اس کی کیا ضرورت ہے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہمارا آپس میں تعارف ہو جانا چاہیے۔" فاروق مسکرایا۔

"اوہ ہاں! ٹھیک ہے، مجھے فرید اشرف کہتے ہیں، یہ تو

"چلیے ٹھیک ہے، یہاں تک ہم ساری بات سمجھ گئے۔ اب اسے
کھولیے۔"
"مجھے ڈر ہے، اسے کھولتے ہی میں کسی مصیبت میں نہ گرفتار ہو
جاؤں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔
"وہ تو آپ ہو چکے ہیں، اب جلدی کریں، ہمارے پاس وقت
نہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔
فرید اشرف نے سوٹ کیس کو کھولنے کی کوشش کی، اس
نے اپنے سوٹ کیس کی چابی اس میں لگائی، لیکن تالا نہ کھلا۔
"اوہ! اب میں اسے کس طرح کھولوں۔" اس نے پریشان
ہو کر کہا۔
"یہ بات تو ہم بھول ہی گئے، کیا اس سلسلے میں ہم آپ
کی مدد کریں۔" فاروق نے چونک کر کہا۔
"تم کیا کر سکو گے۔" اس نے دونوں کو گھورا۔
"کم از کم اس تالے کو ضرور کھول دیں گے۔"
"مجھ سے کھلتا نہیں، تم کیسے کھول دو گے۔" اس نے جھلا
کر کہا۔
"بس دیکھتے جائیے۔" یہ کہہ کر محمود آگے بڑھا، اس نے جیب
سے ایک ننھا سا مڑا تڑا تار نکالا، ایسی چھوٹی موٹی چیزیں
جیبوں میں رکھنے کے عادی تھے اور پھر وہ سوٹ کیس کے

تالے پر جھک گیا۔ فرید اشرف اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ
رہا تھا، اچانک کھٹ کی آواز آئی۔
"یہ لیجیے، تالا کھل گیا۔" محمود مسکراتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔
"کیا... کیا تم دونوں چور ہو۔" اس نے بوکھلا کر پوچھا۔
"کیا مطلب! ہم آپ کو چور نظر آتے ہیں۔" فاروق نے
بھنا کر کہا۔
"نظر تو نہیں آتے، لیکن کام اس وقت چوروں والا دکھایا ہے۔"
اس نے بڑی مشکل سے مسکرا کر کہا۔
"فکر نہ کریں، ہم کئی اور طرح کے کام بھی دکھا سکتے ہیں، مثلاً
ڈاکوؤں کے، جنوں اور بھوتوں کے، اٹھائی گیروں اور دھوکے
بازوں کے، یہاں تک کہ پولیس والوں کے کام بھی دکھا سکتے ہیں،
آپ ہمارے کاموں پر نہ جائیے، سوٹ کیس کھولیے تاکہ معلوم ہو،
اس میں کیا ہے، ہو سکتا ہے، یہ نوٹوں سے بھرا ہوا ہو۔"
"کیا کہا... نوٹوں سے۔" فرید اشرف نے دبی دبی آواز
میں کہا۔
"ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس صورت میں ہم سیدھے
پولیس اسٹیشن جائیں گے اور سوٹ کیس تھانے میں جمع کرائیں گے۔"
محمود نے کہا۔
"یعنی پولیس والوں کا کام دکھاؤ گے، کیا اس سے یہ بہتر نہیں

ہو گا کہ ہم رقم کو آپس میں تقسیم کر لیں۔"

"تقسیم کیوں کر لیں، ہم دونوں کا بھلا اس پر کیا حق بنتا ہے۔"

"حق تو میرا بھی نہیں بنے گا۔" فرید اشرف بولا۔

"اسی لیے تو کہہ رہے ہیں کہ تھانے میں جمع کرا دیں گے۔"

"اگر یہ نوٹوں سے بھرا ہوا تو ہم ہرگز اسے تھانے نہیں لے جائیں گے، میں اسے اپنے جنرل سٹور میں لگاؤں گا اور اس بات پر ایمان لے آؤں گا کہ خدا جب دیتا ہے، چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے تھرتھر کانپتا ہاتھ سوٹ کیس کے ڈھکنے کی طرف بڑھایا۔

"اس ہاتھ سے تو آپ ضرور ہی ڈھکنا اوپر اٹھا سکیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"دوسرا ہاتھ لگا لوں گا۔" وہ بے خیالی میں بولا اور پھر فاروق کو بری طرح گھورا۔

"اچھا! گھورنا چھوڑیئے اور ڈھکنا اٹھائیے ... اب تو ہم بھی بے چینی محسوس کرنے لگے ہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"صرف تم محسوس کر رہے ہو گے، ہم نہیں۔" فاروق بول اٹھا۔

فرید اشرف نے ڈھکنے کے سروں پر دونوں ہاتھ رکھے ہی تھے کہ ایک کرخت آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"خبردار! اسے نہ کھولنا، یہ میرا سوٹ کیس ہے۔"

تم سے مطلب

انہوں نے ایک ساتھ نظریں اوپر اٹھائیں، ابھی سورج غروب ہونے میں کافی دیر تھی، اس کی شعاعیں آنے والے کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور ان شعاعوں نے اس کے چہرے کو عجیب سا دبدبہ اور رعب عطا کر دیا تھا، وہ ایک لمبے قد کا آدمی تھا۔ خاکی رنگ کے سوٹ میں تھا۔ جبڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں، جس سے اس کی سخت دلی کا پتا چلتا تھا۔ اس نے آنکھوں پر تاریک شیشوں کا چشمہ لگا رکھا تھا، شاید اس کی آنکھوں کو روشنی ناگوار گزرتی تھی۔ سر پر ہیٹ نہیں تھا، بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر کسی قدر پریشانی کے آثار بھی تھے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا۔

"یہ سوٹ کیس آپ کا ہے؟" فرید اشرف نے چونک کر کہا۔

"ہاں! یہ رہا آپ کا سوٹ کیس، دیکھ لیجیے، آپ کا ہی ہے نا؟" اس نے یہ کہہ کر سوٹ کیس فرید اشرف کے سامنے رکھ دیا۔

"ہاں! یہ میرا ہی ہے، لیکن سوٹ کیس بدل کس طرح گئے؟"

"سوٹ کیس نہیں، قلی بدل گئے تھے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" فرید اشرف کے ساتھ ان دونوں کے منہ سے بھی نکلا۔

"آپ نے جس قلی کو اشارہ کیا، اس نے میرا سوٹ کیس اٹھا لیا اور میرے والے قلی نے آپ کا سوٹ کیس اٹھا لیا۔" اس نے بتایا۔

"پھر تو قلی نہیں بدلے، سوٹ کیس ہی بدلے تھے۔" محمود نے کہا۔

"جو کچھ بھی ہو، انہیں ان کا سوٹ کیس مل گیا، مجھے میرا۔" یہ کہہ کر وہ اپنا سوٹ کیس اٹھانے کے لیے جھکا، لیکن محمود نے سوٹ کیس پر ہاتھ جما دیے۔

"نہیں جناب! آپ اس طرح اپنا سوٹ کیس نہیں لے جا سکتے۔"

"کیا مطلب... میں اسے کس طرح لے جا سکتا ہوں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"مسٹر فرید اشرف پہلے اپنا سوٹ کیس کھول کر اطمینان کریں گے کہ اس میں تمام چیزیں تو موجود ہیں اور پھر آپ اپنا اطمینان کریں گے۔"

"اوہ ہاں! یہ تو اصول کی بات ہے۔" فرید اشرف جلدی سے بولا۔

"بہت اچھا، آپ اصول پر عمل کر لیں۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟" محمود نے جلدی سے پوچھا۔

"تم سے مطلب!" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"بہت عجیب نام ہے، میں نے آج تک یہ نام کسی آدمی کا نہیں سنا، محمود... تم نے سنا ہے۔"

"بالکل نہیں۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"تو مسٹر تم سے مطلب... آپ کا اصل نام کیا ہے۔"

"خاموش رہو، تم کون ہوتے ہو، میرا نام پوچھنے والے... یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے، ہاں تو مسٹر اپنا سوٹ کیس دیکھیے اور میری جان چھوڑیے۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"انہوں نے آپ کی جان کب پکڑ رکھی ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا اور لمبا آدمی اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ کوئی عجیب و غریب چیز ہو۔

اتنے میں فرید اشرف اپنا سوٹ کیس کھول چکا تھا اور اپنی چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا، محمود اور فاروق نے بھی سوٹ کیس کی چیزوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی، اس میں کپڑوں کے علاوہ نوٹوں کی کچھ گڈیاں بھی تھیں، جنہیں دیکھ کر فرید اشرف نے سکون کا سانس لیا اور بولا۔

"میری تمام چیزیں پوری ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ!" لمبے آدمی نے کہا اور ایک بار پھر اپنا سوٹ کیس اٹھانے کے لیے جھکا۔

"کیا آپ اپنی چیزوں کا جائزہ نہیں لیں گے؟" محمود نے کہا۔

"نہیں، میں جانتا ہوں، اس میں کوئی چیز کم نہیں ہو گی۔" اس نے کہا۔

"لیکن اس کا تالا کھولا جا چکا ہے، اور آپ کو اپنا اطمینان کر لینا چاہیے۔"

"میں گھر جا کر اطمینان کروں گا۔" اس نے کہا۔

"آپ یہیں کیوں نہیں دیکھ لیتے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"تم دونوں کو کیا بے چینی ہے، میرا سوٹ کیس ہے، اس میں موجود چیزیں بھی میری ہی ہیں، میں دیکھوں نہ دیکھوں، تم کیوں دبلے ہو رہے ہو اس کی فکر میں۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں تو، دبلے تو نہیں ہو رہے، ہم دونوں تو اچھے بھلے سڈول ہیں۔" فاروق بولا۔

"اور کیا، بلکہ ہماری بہن اور امی ابو بھی صحت مند ہیں۔" محمود نے کہا۔

"تم دونوں کا کہیں دماغ تو خراب نہیں۔" لمبے آدمی نے تنگ کر کہا۔

"اکثر لوگ ہمارے بارے میں یہی خیال کر بیٹھتے ہیں، لیکن بعد میں انہیں اپنے اس خیال پر پچھتانا پڑتا ہے۔" محمود بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"اب ہم کس کس بات کا مطلب بتائیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اچھا! میرا دماغ نہ چاٹو، سوٹ کیس پر سے ہٹ جاؤ، میں پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکا ہوں۔"

"تو آپ سوٹ کیس نہیں کھول کر دکھیں گے۔" محمود نے کہا۔

"نہیں!" اس کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی اتر آئی۔

"تو پھر ہمیں کھول کر دیکھ لینے دیجیے۔"

"بھئی آخر تم دونوں پر ضد کیوں سوار ہو گئی ہے، ان کا سوٹ کیس ہے، تمہیں کیا۔"

"ہمیں مطلب ہے، تبھی کہہ رہے ہیں نا۔ وہ دیکھو پارک کے دروازے میں سے پولیس والے داخل ہو رہے ہیں۔" محمود نے ایک دم کہا۔

فرید اشرف اور لمبا آدمی ایک ساتھ دروازے کی طرف مڑے اور عین اسی وقت محمود نے سوٹ کیس کا ڈھکنا تھوڑا سا اٹھا کر دیکھ لیا، لیکن ان کے مڑنے سے پہلے ہی وہ ڈھکنا واپس ٹکا چکا تھا اور ان دونوں کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

کہ محمود نے کیا حرکت کی ہے، خود فاروق کو بھی پتا نہ چلا، وہ بھی دروازے کی طرف دیکھنے لگ گیا تھا۔

"کہاں ہے پولیس؟" لمبے آدمی نے جھلا کر کہا۔

"ہائیں! نہیں ہے... مجھے تو ابھی ابھی دروازے میں داخل ہوتی نظر آئی تھی۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"محمود! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا ہے، عینک لگوا لو، تمہاری نظر روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے۔"

"واقعی! یہاں سے سیدھے عینک والے کے پاس چلیں گے۔" محمود نے سر ہلایا۔

"تم دونوں ضرور پاگل ہو۔"

یہ کہہ کر لمبا آدمی غصے میں تلملاتا ہوا سوٹ کیس پہ جھکا، اس کا تالا لگایا اور ایک جھٹکے سے دائیں ہاتھ میں اٹھا کر دروازے کی طرف مڑا۔

"اپنا نام تو بتاتے جائیے۔"

"تم سے مطلب!" اس کے منہ سے پھر نکلا۔

"اوہ ہاں! یہ نام تو آپ بتا چکے ہیں، محمود ان کا یہ نام یاد رکھنا، پورے ملک میں شاید کسی دوسرے آدمی کا یہ نام نہ ہوگا، اس لحاظ سے یہ نام تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔"

"اچھا! میں اسے مزید یاد رکھوں گا، بلکہ نوٹ بک میں نوٹ کر لوں گا۔" محمود نے کہا۔

چند سیکنڈ تک لمبا آدمی گردن موڑے انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر دروازے کی طرف چل پڑا۔

"مسٹر فرید اشرف! اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"میں ہوٹل نور افشاں جاؤں گا، خدا کا شکر ہے کہ سوٹ کیس مل گیا، اس میں رقم بھی محفوظ ہے۔"

یہ کہہ کر فرید اشرف نے بھی سوٹ کیس اٹھایا اور دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس کے وہاں سے ہٹتے ہی محمود نے کہا۔

"چلو فاروق جلدی کرو، ہمیں اس کا پیچھا کرنا ہے۔"

"کس کا... فرید اشرف کا یا مسٹر تم سے مطلب کا؟"

"تم سے مطلب کا!" محمود نے کہا۔

انہوں نے اپنی کتابیں اٹھائیں اور پارک سے باہر نکلنے کے لیے جلدی جلدی قدم اٹھانے لگے۔

○

فرزانہ نے ایک انگڑائی لی، بلی کی کمر پر پیار سے تھپکی دی اور اس سے بولی۔

"بس سونی... آج تمہیں بہت تربیت دے چکی، اب

محمود اور فاروق آنے والے ہیں، وہ میرا اور تمہارا مذاق اڑائیں گے، ادھر ابا جان کے آنے کا بھی وقت ہو گیا ہے، اس لیے ناشتے کی میز پر چلنا چاہیے، تمہیں بھی بھوک لگ چکی ہو گی۔"

جواب میں سونی نے ہلکی سی میاؤں نکالی اور اس کے پیچھے چلنے لگی۔ دونوں ناشتے کی میز پر پہنچ گئیں۔ بیگم جمشید میز پر چائے کے برتن لگا چکی تھیں، انہوں نے فرزانہ کی طرف گھور کر دیکھا،

"تم اس بلی کے ساتھ یونہی وقت ضائع کر رہی ہو، یہ کتا ثابت نہیں ہو سکتی!"

"دیکھیے امی جان! کتا دشمن کی بو پا کر اس پر جھپٹ پڑتا ہے، سونی بھی اب ایسا کرنے لگی ہے، دوسرے یہ کہ اگر میں اسے کسی پر ٹوٹ پڑنے کا اشارہ کر دوں تو یہ اپنے نوکیلے پنجوں سے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے اور...."

"بس بس! مجھے معلوم ہو گیا، یہ کیا کیا کام کر سکتی ہے، اب آؤ میرے ساتھ چائے کے برتن میز پر لگواؤ۔"

"جی بہت بہتر، لیکن یہ محمود اور فاروق اب تک کیوں نہیں آئے، ابا جان کے آنے کا وقت تو ہو گیا ہے۔"

"آتے ہی ہوں گے۔" بیگم جمشید بولیں۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی، دونوں چونک اُٹھے۔ انداز
محمود اور فاروق کا نہیں، انسپکٹر جمشید کا تھا، جب کہ پہلے ان
دونوں کو آنا چاہیے تھا۔

"ابا جان آ گئے، میں دروازہ کھول آؤں۔"

فرزانہ نے دروازہ کھولا تو انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"کیوں، وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے؟" انہوں نے یہ
اندازہ اس لیے لگایا کہ دروازہ کھولنے عام طور پر محمود آتا
تھا۔

"جی نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"انہیں کتنی مرتبہ کہا ہے، وقت پر واپس آیا کرو، پھر بھی
لیٹ ہو جاتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے، کسی چکر میں اُلجھ گئے ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"خدا نہ کرے، منہ سے اچھی بات نکالا کرو۔" بیگم جمشید
نے بُرا سا منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید کرسی پر بیٹھ گئے۔ فرزانہ بیگم جمشید کا ہاتھ
بٹانے لگی۔ پھر تینوں ان کا انتظار کرنے لگے، انسپکٹر جمشید
بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے، آخر انہوں نے کہا۔

"ناممکن! وہ اتنی دیر نہیں لگا سکتے تھے، وہ ضرور کہیں
پھنس گئے ہیں، میں نیشنل پارک تک دیکھ کر آتا ہوں۔" یہ

کہتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ابا جان! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔" فرزانہ نے
بے قرار ہو کر کہا۔

"اچھا آؤ... بیگم تم دروازہ بند کر لو۔"

"جی بہت اچھا۔"

دونوں گھر سے نکلے، موٹر سائیکل پر بیٹھے اور نیشنل پارک
کی طرف روانہ ہو گئے۔ صرف پانچ منٹ میں وہ نیشنل پارک
میں داخل ہو رہے تھے، انہوں نے سائیکل سٹینڈ پر کھڑی کی
اور اس گوشے کی طرف بڑھے جس میں دونوں بیٹھا کرتے تھے،
لیکن وہاں محمود اور فاروق موجود نہیں تھے، البتہ پتھر کے
بنچ پر ایک آدمی اداس سا چہرہ لیے ضرور بیٹھا تھا، دونوں اس
کے قریب آئے، گھاس پر کاغذ کے کچھ پرزے پڑے تھے،
جن سے ظاہر تھا کہ محمود اور فاروق کچھ دیر پہلے یہاں بیٹھے
کام کرتے رہے ہیں۔

"معاف کیجیے گا جناب، آپ یہاں کتنی دیر سے بیٹھے ہیں؟"
انسپکٹر جمشید نے اس آدمی سے کہا۔

"جی... کیوں... کیا بات ہے۔"

"کیا آپ نے یہاں دو لڑکوں کو بیٹھے دیکھا ہے۔" انہوں
نے پوچھا۔

"میں یہاں کافی دیر سے بیٹھا ہوں، تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے، یہاں دو لڑکے بیٹھے تو تھے، کچھ خیال نہیں وہ کس وقت یہاں سے اُٹھ کر چلے گئے... ارے ہاں یاد آیا، دراصل میں اپنے خیال میں گم تھا، اس لیے پوری طرح دھیان نہ دے سکا، اب آپ کے پوچھنے پر یاد آیا کہ ایک سوٹ کیس والا ان کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا، دونوں اس سے باتیں کرتے رہے، پھر ایک اور سوٹ کیس والا آیا، انہوں نے اپنے سوٹ کیس تبدیل کیے، پھر دوسرا آدمی چلا گیا، اس کے بعد پہلا بھی پارک سے چلا گیا، پھر وہ دونوں بھی اُٹھے تھے اور پارک سے نکل گئے تھے۔ اتنا یاد ہے کہ دوسرا آدمی کافی لمبے قد کا تھا۔"

"اوہ! کیا آپ کو ان کی گفتگو کا کوئی حصہ یاد نہیں۔"

"صرف ایک لفظ ضرور میرے کان میں پڑا تھا اور وہ تھا ہوٹل نور افشاں۔"

"ہوٹل نور افشاں! بہت بہت شکریہ!" انسپکٹر جمشید بولے اور فرزانہ کا ہاتھ پکڑ کر موٹر سائیکل کی طرف آئے۔

"معلوم ہوتا ہے، دونوں کسی چکر میں پھنس گئے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں! لگتا تو یہی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اب ہمیں ہوٹل نور افشاں چلنا ہوگا۔"

"کیا آپ کو معلوم ہے، یہ ہوٹل کہاں واقع ہے۔"

"بہت اچھی طرح... اس کے مالک سے میں بہت اچھی طرح واقف ہوں، بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"تب تو وہاں ضرور چلیے، خطرناک آدمیوں سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے اور یوں بھی اس وقت محمود اور فاروق کی تلاش کا معاملہ ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی، فرزانہ ان کے پیچھے بیٹھ گئی، دوسرے ہی لمحے وہ ہوٹل نور افشاں کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ صرف چند منٹ بعد وہ ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے۔

جونہی وہ اندر داخل ہوئے، ہال میں خاموشی چھا گئی، ہال میں موجود سب لوگ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے انہوں نے کسی بھوت کو دیکھ لیا ہو، فرزانہ کا مارے حیرت کے بُرا حال تھا، اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہوٹل میں موجود لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔

○

نیلا دھواں

"یہ تمہیں اس لمبے آدمی کا تعاقب کرنے کی کیا سوجھی؟..." فاروق نے منہ بنا کر کہا: "دونوں کے سوٹ کیس آپس میں بدل گئے تھے۔ وہ انہوں نے پھر تبدیل کر لیے، آخر اس میں عجیب بات کیا ہوئی اور ہم تعاقب کس خوشی میں کر رہے ہیں۔"

وہ پارک سے باہر نکل آئے تھے، لمبے قد والا سیدھا چلا جا رہا تھا، جب کہ فرید اشرف دائیں سڑک پر مڑ چکا تھا، شاید ہوٹل نور افشاں کو یہی سڑک جاتی تھی، وہ بھی سیدھی سڑک پر چل رہے تھے۔

"لمبے آدمی نے ہمارے سامنے سوٹ کیس کھول کر اپنا اطمینان کیوں نہیں کیا، سوٹ کیس کھولنے کے سوال پر وہ بوکھلا کیوں گیا تھا۔" محمود نے جواب دیا۔

"بوکھلایا ہوگا، ہمیں کیا۔" فاروق جھلا کر بولا۔

"میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کہاں جاتا ہے.." محمود بولا۔

"اور میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ واپسی پر ابا جان ہماری کیسی خبر لیتے ہیں۔" فاروق جل کر بولا۔

"وہ تو ہم دیکھ ہی لیں گے، گھر کی بات ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو، گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب! تم ابا جان کو مرغی کہہ رہے ہو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"میں انہیں مرغی کس طرح کہہ سکتا ہوں، مرغی تو وہ ہو ہی نہیں سکتے، یہ محاورہ ہے، میرا مطلب تھا کہ وہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، پہلے ان کے معاملے سے نپٹ لیں۔"

"یہ لمبا آدمی ضرور ہمیں کسی لمبی مصیبت میں پھنسائے گا۔" فاروق نے پیش گوئی کی۔

"یہ مصیبت لمبی اور چھوٹی کب سے ہونے لگی۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جب سے تم نے مجھ سے بحث کی . . . !" فاروق تڑ سے بولا۔

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے، میرے بحث بند کرتے ہی لمبا آدمی ہمیں کسی چھوٹی مصیبت میں پھنسائے گا۔" محمود مسکرایا۔

"تم سے خدا سمجھے آج تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے۔" محمود بولا۔

"ارے! لو بھئی... وہ تو گیا، اسے تو مل گئی ٹیکسی۔" فاروق کے منہ سے نکلا پھر بولا۔ "چلو اچھا ہی ہوا، اب نہ لمبی مصیبت میں پھنسیں گے، نہ چھوٹی میں... بلکہ اطمینان سے اپنے گھر چلیں گے۔"

"نہیں! ہم گھر نہیں جائیں گے۔"

"تو کیا ٹیکسی کے پیچھے دوڑ لگائیں گے۔" فاروق پھاڑنے والے لہجے میں بولا۔

"فکر نہ کرو، جلد ہی ہمیں بھی کوئی ٹیکسی یا رکشہ مل ہی جائے گا۔"

"اچھا نہیں کرتا فکر، مجھے فکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، میں تو یہ معلوم ہی نہیں کرنا چاہتا کہ لمبے آدمی کے سوٹ کیس میں ہے کیا۔"

"جب تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ اس میں کیا ہے تو شاید ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بھی اس کا تعاقب کرنا پسند کرو گے۔" محمود نے جل کر کہا۔

"اچھا! اب ہوائی جہاز سڑکوں پر چلا کریں گے۔" فاروق کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی۔

"کیا خبر! یہ ٹیکسی ہی ہوا میں اڑنے لگے۔"

"فی الحال تو وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کو ہے۔" فاروق نے کہا۔

"وہ دیکھو، پیچھے سے ایک خالی ٹیکسی آ رہی ہے۔"

"وحت تیرے کی۔" فاروق کے منہ سے نکلا اور محمود نے اسے چونک کر دیکھا، کیونکہ اس نے اس کی نقل اتاری تھی۔ وحت تیرے کی عام طور پر محمود جھلاہٹ کے عالم میں کہنے کا عادی تھا، اسی وقت اس نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ ٹیکسی میں بیٹھ چکے تھے اور اگلی ٹیکسی کے پیچھے اڑے جا رہے تھے۔ محمود نے ٹیکسی ڈرائیور کو خاص طور پر اس ٹیکسی کا تعاقب کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس ہدایت پر ٹیکسی ڈرائیور چونکا تھا، لیکن محمود نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا۔

"اس میں ہمارے ایک عزیز بیٹھے ہیں، ہماری نظر سڑک پر چلتے ہوئے ان پر پڑی ہے، ہمارا ان سے ملنا بہت ضروری ہے، کیونکہ کل وہ اس شہر سے چلے جائیں گے۔"

ٹیکسی ڈرائیور مطمئن ہو گیا اور اس نے ٹیکسی کی رفتار تیز کر دی، لیکن اگلی ٹیکسی بھی کچھ کم رفتار پر نہیں جا رہی تھی، وہ اس سے آگے تو نہ نکل سکا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ

ٹیکسی کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

اچانک اگلی ٹیکسی ایک ہوٹل کے سامنے رُکی، انہوں نے ہوٹل کا نام پڑھا اور دھک سے رہ گئے۔

"ہوٹل نور افشاں!" محمود بڑبڑایا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی ٹیکسی رُک گئی، وہ نیچے اتر آئے، ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

"یار فاروق! یہ کیا چکر ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"تمہیں ہی معلوم ہوگا، اس چکر میں تمہیں دل چسپی لے رہے ہو۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"میرا مطلب ہے، ہوٹل نور افشاں میں تو فرید اشرف کو آ کر ٹھہرنا تھا اور چلا آ رہا ہے یہ لمبا آدمی۔۔۔ جب کہ فرید اشرف دوسری سڑک پر چلا گیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے، ہمارے شہر میں دو نور افشاں ہوٹل ہوں، یا پھر ان دونوں کو ایک ہی ہوٹل میں ٹھہرنا ہوگا اور فرید اشرف اس طرف کسی کام سے گیا ہو۔"

"ہوں، ہونے کو تو سبھی کچھ ہو سکتا ہے، اب مجھے سچ مچ کسی چکر کی بُو آ رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے، یہ چکر ہمیں اُلجھائے بغیر نہیں رہے گا۔"

"کیا مطلب؟" فاروق چونکا۔

"در اصل بات یہ ہے کہ میں نے لمبے آدمی کے سوٹ کیس کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھ لیا تھا۔" محمود سوچ میں گم ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا کہا۔۔۔ تم نے سوٹ کیس دیکھ لیا تھا۔" فاروق نے تقریباً چلا کر کہا۔

"ہاں!" محمود کے منہ سے نکلا۔

"کیا تھا اس میں؟" فاروق نے جلدی سے پوچھا۔

"ایک بہت ہی عجیب چیز اور میں تمہیں بتاؤں، سوٹ کیس وزنی نہیں تھی۔"

"ہائیں! وزنی نہیں تھا، تو کیا فرید اشرف صرف اس کے وزنی ہونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مجھے اس سوٹ کیس میں ایک بہت ہی ہلکی سی چیز نظر آئی تھی اور اس چیز کے علاوہ سوٹ کیس میں کچھ نہیں تھا۔"

"اوہ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو، اور پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم تعاقب کرنے سے انکار نہ کر دو۔"

"واہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے، ان حالات میں تو تعاقب کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے، جلدی بتاؤ، اس میں کیا تھا۔"

اسی وقت ایک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔
"تو تم نے سوٹ کیس میں دیکھ لیا تھا۔"
وہ بوکھلا کر مڑے، ان کے سامنے وہی لمبے قد والا آدمی کھڑا تھا، اس کے چہرے پر ایک خوفناک مسکراہٹ تھی، آنکھوں پر اب بھی وہی تاریک شیشوں والا چشمہ تھا اور ہاتھ میں ایک پستول تھا، ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، ابھی ابھی تو لمبے قد والا ان کی آنکھوں کے سامنے ہوٹل نور افشاں میں داخل ہوا تھا، اس وقت سے اب تک ان کی نظر میں دروازے پر ہی رہی تھیں، پھر وہ ان کے پیچھے کس طرح پہنچ گیا تھا۔
"ہاں! میں نے سوٹ کیس میں جھانک کر دیکھ لیا تھا، اور اب تم بچ نہیں سکو گے۔" محمود نے ڈرے بغیر کہا۔
"کیا اس ہوٹل کا کوئی پچھلا دروازہ بھی ہے؟" فاروق نے محمود کے جملے کی طرف توجہ دیے بغیر کہا۔
"ہاں! میں اسی دروازے سے تم تک آیا ہوں، میں نے تمہیں تعاقب کرتے دیکھ لیا تھا۔" اس نے کہا۔
"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" محمود نے پوچھا۔
"میں تمہیں پچھلے راستے سے اپنے کمرے میں لے کر جاؤں گا، ہم وہاں بیٹھ کر بات کریں گے، تم میرے ایک راز

سے باخبر ہو گئے ہو اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوئی، دونوں میرے آگے آگے چلو، ہوٹل کے پچھلے حصے کی طرف شاید ہی کوئی آدمی ملے گا، میں پستول جیب میں رکھوں گا، لیکن اس کی نالی کا رُخ تمہاری طرف ہوگا، اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو میں فوراً گولی چلا دوں گا۔"
"اور گولی کا دھماکا لوگوں کو پچھلے حصے میں لے آئے گا، پھر تم پکڑے جاؤ گے۔" محمود نے کہا۔
"ایسا نہیں ہوگا، پستول بے آواز ہے۔"
"اوہ!" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
"چلو، قدم اٹھاؤ۔" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔
دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں، یار بڑے پھنسے، پھر ہوٹل کی پچھلی سمت میں چل پڑے۔
وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔
"محمود! اس سوٹ کیس میں کیا تھا؟" فاروق نے پوچھا۔
"اس سے کیا پوچھتے ہو، خود ہی چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے، وہ چیز اب میں نے سوٹ کیس میں سے نکال کر کمرے میں رکھ دی ہے اور اندر داخل ہوتے ہی وہ تمہیں نظر آ جائے گی۔"
"بہت خوب! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے محمود، تم نہ بتانا۔"

فاروق نے چہک کر کہا۔

"اچھا! نہیں بتاؤں گا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

کوئی سو گز چلنے کے بعد دیوار میں ایک دروازہ نظر آیا، وہ کھلا ہوا تھا۔ لمبے آدمی نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"اس دروازے میں داخل ہو جاؤ، خبردار کوئی غلط قدم نہ اٹھانا؛ ورنہ پچھتانا پڑے گا۔"

"غلط قدم سے تمہاری کیا مراد ہے، کیا اس وقت تک ہم نے صحیح قدم اٹھائے ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! باتیں نہ بناؤ اور آگے چلو۔"

"بہت خوب! چلو بھئی آگے۔" فاروق نے کہا اور دونوں دروازے میں داخل ہو گئے۔ اگر وہ چاہتے تو اس وقت بہت کچھ کر سکتے تھے، لیکن معاملہ ابھی تک ان کے پلے نہیں پڑا تھا اس لیے آگے بڑھ گئے، پتلی سی ایک روش پر چلتے ہوئے وہ ایک برآمدے تک آئے۔ یہاں لفٹ موجود تھی، لمبے آدمی نے آگے بڑھ کر لفٹ کا بٹن دبایا اور انہیں اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا، لفٹ کے ذریعے وہ تیسری منزل پر پہنچے اور دائیں طرف مڑ گئے، لمبے آدمی نے انہیں کمرہ نمبر ۳۱۲ کے سامنے رکنے کا اشارہ کیا، پھر اس نے کہا۔

"دروازے پر دستک دو۔"

"کیا کوئی اور بھی اندر موجود ہے!" محمود نے چونک کر کہا۔

"ہاں! تمہارے چچا جان موجود ہیں اندر۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"ہمارے انکل اور یہاں! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم یہاں پہنچ سکتے ہو تو وہ کیوں نہیں آ سکتے۔" لمبے آدمی نے کہا پھر بولا۔ "تم نے دروازے پر دستک نہیں دی۔"

محمود نے دروازہ کھٹکھٹا ڈالا، فوراً ہی قدموں کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ دوسرا لمحہ انہیں چونکا گیا، دروازہ کھولنے والا آدمی فرید اشرف کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

○

انسپکٹر جمشید کے قدم کاؤنٹر کی طرف اٹھنے لگے۔ کاؤنٹر پر بیٹھا لمبا تڑنگا آدمی تھر تھر کانپنے لگا۔ انسپکٹر جمشید نے کہنی کاؤنٹر پر ٹکاتے ہوئے کہا۔

"جیری کہاں ہے؟"

"اپ... اپنے کمرے میں۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"آؤ فرزانہ!" انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے پر

پہنچے۔ انسپکٹر جمشید نے پاؤں کی ایک ٹھوکر رسید کی، دروازہ ایک
دم کھل گیا۔ اندر میز کے پیچھے ایک بہت چوڑے چہرے والا آدمی
بیٹھا تھا۔ اس کے جبڑوں کی ہڈیاں بہت ابھری ہوئی تھیں۔ ان
پر نظر پڑتے ہی وہ ساکت رہ گیا۔

"آپ ... آیئے ... تشریف لایئے۔" اس نے جلدی سے
اٹھتے ہوئے کہا۔

"محمود اور فاروق کہاں ہیں۔" انہوں نے اندر داخل ہوتے
ہی اچانک سوال کیا۔

"کیا مطلب؟" جیری بڑے زور سے چونکا۔

"بنو نہیں! تم سب کچھ جانتے ہو، اس ہوٹل میں تمہاری
مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، اگر ایک منٹ کے اندر اندر
تم نے ساری بات سچ سچ نہ بتا دی تو زندگی بھر پچھتاؤ گے،
تمہارا ہوٹل کھنڈر بن جائے گا، اب بتاؤ محمود اور فاروق
کہاں ہیں۔"

"میں سچ کہتا ہوں، ان کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"ہوں!" انسپکٹر جمشید سوچنے کے انداز میں بولے۔ "اچھا
وہ لمبا آدمی تمہارے ہوٹل کے کون سے کمرے میں ٹھہرا
ہوا ہے۔"

"اوہ! تو اس نے کوئی گڑبڑ کی ہے، یقین جانیے انسپکٹر

صاحب! مجھے نہیں معلوم، اس نے کیا کیا ہے۔"

"اچھی بات ہے، اس کے کمرے کا نمبر بتاؤ۔"

"تین سو بارہ!" جیری کے منہ سے نکلا۔

"ہمارے ساتھ اس کے کمرے تک چلو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ضرور! میں تیار ہوں۔" یہ کہہ کر وہ میز کے پیچھے سے
نکل کر ان کے نزدیک آ گیا، پھر تینوں کمرے سے نکل کر
لفٹ میں سوار ہوئے، تیسری منزل پر اتر کر وہ کمرہ نمبر ۳۱۲
کے سامنے پہنچ گئے۔

"دروازے پر دستک دو۔" انسپکٹر جمشید نے جیری سے کہا،
اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی، لیکن جونہی اس کا ہاتھ دروازے
سے لگا، وہ کھل گیا۔

انہوں نے دیکھا، اندر کوئی بھی نہیں تھا، البتہ کمرے کے
بیچوں بیچ چمک دار فرش پر ایک سوٹ کیس ضرور رکھا
تھا، انسپکٹر جمشید سوٹ کیس کو دیکھ کر چونک اٹھے۔

"اس لمبے آدمی کے ساتھ کوئی اور آدمی بھی ٹھہرا ہوا تھا؟"
انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں! اس کا ساتھی چھوٹے قد کا موٹا سا آدمی ہے،
جس کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں بھی ہیں۔"

"یہ دونوں کب سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"ابھی کل ہی آئے تھے۔"

"اور ان کے ساتھ دو سوٹ کیس بھی تھے؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"لیکن اس وقت کمرے میں صرف ایک سوٹ کیس ہے اور وہ دونوں غائب ہیں۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"تو تمہیں واقعی ان کے پروگرام کا علم نہیں تھا!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی نہیں!"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، اس ہوٹل میں تمہاری حکومت ہے، یہاں کوئی بھی شخص تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔"

"میں عرض کرتا ہوں، کل وہ یہاں ٹھہرنے کے لیے آئے تھے، انہوں نے صرف اتنا بتایا تھا کہ ان کے پاس چوری کا کچھ مال ہے، وہ اسے اس شہر میں فروخت کرنے آئے ہیں، میں نے ان کی بات پر یقین کر لیا، کیونکہ ان کے پاس دو سوٹ کیس بھی تھے اور انہوں نے ان میں سے ایک سوٹ کیس مجھے کھول کر دکھایا بھی تھا۔"

"اس میں کیا چیزیں تھیں۔"

"نشہ آور چیزیں، مثلاً افیون، چرس وغیرہ۔"

"ہوں! یاد رکھو، اگر تمہارا بیان غلط ہوا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"مم... میں جانتا ہوں۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"چلو! اس سوٹ کیس کا ڈھکنا اوپر اٹھاؤ، دیکھیں اس میں کیا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"بہت بہتر!"

تھر تھر کانپتے ہاتھوں سے جیری نے سوٹ کیس کا ڈھکنا اٹھایا، فوراً ہی ایک زور دار دھماکا ہوا اور کمرے میں یک لخت نیلے رنگ کا دھواں پھیل گیا۔

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ سے پہلے جیری دھڑام سے گرا، اور بے ہوش ہو گیا، اس کے فوراً بعد فرزانہ گری اور پھر انسپکٹر جمشید بھی اپنے پیروں پر کھڑے نہ رہ سکے۔

○

چاروں غائب

"ہیں! مسٹر فرید اشرف! یہ آپ ہی ہیں یا ہم آپ کا بھوت دیکھ رہے ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"میں فرید اشرف ہوں۔"

"تب پھر آپ یہاں کس طرح نظر آ رہے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"اندر آ جاؤ، ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" فرید اشرف بولا۔

"اندر تو خیر ہم آئیں گے ہی، کیونکہ ان صاحب نے جیب میں پستول ڈال رکھا ہے، اس کی نالی کا رُخ ہماری طرف ہے اور ان کی انگلی اس کے ٹریگر پر، اس لیے ہم اندر نہیں آئیں گے تو کہاں جائیں گے۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"مسٹر شاشا! اب کیا پروگرام ہے۔" فرید اشرف نے لمبے آدمی سے کہا۔

"مسٹر شاشا... ہائیں! آپ تو ان کے نام سے بھی واقف ہیں جب کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے پارک میں آپ نے بتایا

تھا کہ آپ کا سوٹ کیس بدل گیا ہے، پھر یہ صاحب وہاں آئے تھے اور اپنا سوٹ کیس لے کر چلتے بنے تھے، آخر یہ چکر کیا ہے، کیا وہ سب ڈرامہ تھا۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! وہ سب ڈرامہ تھا۔" شاشا نے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن مسٹر چاچا... اس ڈرامے کا مقصد کیا تھا۔" فاروق نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

"چاچا نہیں... شاشا۔" شاشا نے تلملا کر کہا۔

"بہت اچھا! شاشا ہی سہی، ویسے یہ نام چاچا سے ملتا جلتا بہت ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"ملتا تو ٹاٹا سے بھی بہت ہے۔" محمود بول پڑا۔

"خیر ہمیں اس سے کیا کہ ان کا نام کس کس سے ملتا جلتا ہے، ہمیں تو مطلب اس سے ہے کہ یہ دونوں حضرات کیا چاہتے ہیں، اب یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے واقعی ڈرامہ کھیلا تھا اور دراصل یہ ہم دونوں کو یہاں لانا چاہتے تھے، کیوں مسٹر چا نہیں شاشا، یہی بات ہے نا۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"ہاں! تم ٹھیک سمجھے، یہی بات ہے۔"

"تو پھر بتائیے، ہمیں یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی اور وہ بھی اس طرح چکمہ دے کر۔" محمود نے پوچھا۔

"ایسا ایک خاص مقصد کے لیے کیا گیا۔" شاشا نے کہا۔

"وہی ہم جاننا چاہتے ہیں۔"

"بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔" شاشا نے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہمارے ابا جان ہمارا سراغ لگاتے ہوئے یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے، کیونکہ جب ہم وقت پر گھر نہ پہنچے ہوں گے تو وہ فوراً نیشنل پارک پہنچے ہوں گے اور وہاں سے ٹوہ لیتے ہوئے وہ یہاں آنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔" محمود نے کہا۔

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں تلاش کرتے یہاں تک آ جائیں۔" شاشا نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" محمود اور فاروق نے ایک ساتھ کہا۔

"ہمیں ان سے بھی دو دو باتیں کرنی ہیں اور یہ چکمہ اسی لیے چلایا گیا ہے۔"

"اوہ... محمود... تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ سوٹ کیس میں تم نے کیا دیکھا تھا۔"

"اس میں صرف ایک خون آلود خنجر تھا۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟" فاروق کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کس کا مطلب بتاؤں، خون آلود کا یا خنجر کا... میرا خیال تھا کہ تمہیں تھوڑی بہت اردو آتی ہے۔"

"تمہارے خیال کی ذمے داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ! اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ صرف ہمیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! تم ٹھیک سمجھے، لیکن ذرا دیر سے، اب تم ہمارے قبضے میں آ چکے ہو۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" محمود نے گھبرائے بغیر کہا۔

"تمہارے والد کے آنے پر بتائیں گے۔" فرید اشرف نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے، وہ یہاں ضرور آئیں گے۔"

"ہاں! تم انہیں آتے اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، لیکن آواز دے کر انہیں خبردار نہیں کر سکو گے۔" شاشا نے کہا۔

"ہمیں ضرورت بھی نہیں انہیں خبردار کرنے کی، وہ خدا کے فضل سے خود ہی کافی خبردار ہیں، کاش تم جانتے ان کی خبرداری کس حد تک پہنچی ہوئی ہے۔" فاروق شوخ لہجے میں کہتا چلا گیا۔

"کیا خبردار خبردار لگا رکھی ہے۔" فرید اشرف نے منہ بنایا۔

"جو تم کہو، لگا دوں۔" فاروق بولا۔

"اپنے ہونٹوں کو تالا لگا دو، تاکہ تمہاری زبان حرکت نہ کر سکے۔" فرید اشرف بولا۔

"یہ تالا ہم لگائیں گے، انہیں غسل خانے میں لے چلو۔" یہ کہتے ہوئے شاشا نے پستول نکال لیا۔

"کیا تالا لگانے کے لیے غسل خانے میں جانا ضروری ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں! چلو۔ ٹرٹر نہ کرو۔"

انہیں پستول کی نالی کے زور پر دھکیلا گیا تو وہ غسل خانے میں چلے آئے، اب تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ کیا کرنا چاہیے، غسل خانے میں آتے ہی انہوں نے سوچا، کچھ کر گزرنا چاہیے، لیکن دیر ہو چکی تھی، اسی وقت ایک تیز بُو ان کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی اور اس سے پہلے ایک ہلکا سا دھماکا ہوا تھا، انہوں نے دیکھا، غسل خانے میں نیلے رنگ کا دھواں بھر گیا تھا۔

پھر وہ تڑ سے گرے اور بے ہوش ہو گئے۔

○

جیری کو ہوش آیا تو اس نے خود کو کمرہ نمبر ۳۱۲ کے

فرش پہ پڑے پایا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن وہاں انسپکٹر جمشید کہیں بھی نظر نہ آئے۔ وہ تیزی سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل کر نیچے پہنچا، دوسرے ہی لمحے وہ پولیس اسٹیشن فون کر رہا تھا۔

"ہیلو! یہ تھانہ فرخ آباد ہے۔"

"میں جیری بول رہا ہوں، ہوٹل نور افشاں کا جیری۔"

"ہیلو مسٹر جیری، کہو کیا حال ہے، میں سب انسپکٹر رحیم ہوں۔"

"رحیم صاحب! یہاں ایک خوفناک حادثہ ہو گیا ہے، فوراً آیئے۔"

"اوہ! میں پہنچ رہا ہوں۔"

دس منٹ بعد سب انسپکٹر رحیم ہوٹل نور افشاں میں جیری سے بات کر رہا تھا، جیری نے اسے انسپکٹر جمشید کی آمد اور پھر ان کے سوالات کے بارے میں بتایا، اس کے بعد کمرہ نمبر ۳۱۲ میں جانے اور سوٹ کیس کھولنے کے بارے میں ساری تفصیل بیان کی، اس کے خاموش ہوتے ہی سب انسپکٹر رحیم اچھل کر کھڑا ہو گیا، اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تمہارا مطلب ہے، انسپکٹر جمشید لاپتا ہیں۔"

"ہاں! کمرے کے فرش پر صرف میں پڑا تھا، حالانکہ میرے ساتھ وہ بھی بے ہوش ہوئے تھے۔"

"اُف خدا! اور تم مجھے یہاں بلا کر یہ کہانی سنا رہے ہو، تم نے پندرہ منٹ ضائع کر دیے، اس وقت تک انہیں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا ہو گا۔"

یہ کہتے ہی سب انسپکٹر رحیم نے مختلف تھانوں میں اطلاع دی، اس کے بعد ڈی آئی جی صاحب کو فون کر کے ساری صورتِ حال بیان کی، وہ بھی گھبرا گئے اور ان کی تلاش کے سلسلے میں انہوں نے اسی وقت فون کا ریسیور تھام لیا۔ جب سب جگہ فون کر چکے تو انہیں خیال آیا، پہلے انسپکٹر جمشید کے گھر تو فون کر کے معلوم کرنا چاہیے، دوسری طرف سے فوراً بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو مسز جمشید... میں شیخ نثار احمد بول رہا ہوں، جمشید گھر میں موجود ہے۔"

"جی نہیں، تھوڑی دیر پہلے وہ اور فرزانہ محمود اور فاروق کی تلاش میں نیشنل پارک کی طرف گئے تھے، کیونکہ انہیں واپس آنے میں دیر ہو گئی تھی، لیکن ابھی تک چاروں میں سے کوئی بھی واپس نہیں آیا۔"

"اوہ!" ڈی آئی جی صاحب کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکلا۔

"خیر تو ہے شیخ صاحب۔" بیگم جمشید نے ڈرے ڈرے

انداز میں پوچھا۔

"خیر نظر نہیں آتی، ذرا ٹھہریں، پہلے میں پروفیسر داؤد اور خان رحمان سے معلوم کر لوں، اس کے بعد آپ کو بتاؤں گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی سلسلہ بند ہو گیا اور بیگم جمشید ہاتھ میں ریسیور پکڑے بت بنی کھڑی رہ گئیں، پھر انہوں نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا، ڈی آئی جی صاحب کو جلد ہی فون کرنا تھا۔

وہ فون کے انتظار میں وہیں بیٹھ گئیں، ان کا دل دھک دھک کرنے لگا، آخر گھنٹی بجی اور ڈی آئی جی صاحب کی آواز سنائی دی، وہ کہہ رہے تھے۔

"نہایت افسوس ناک خبر ہے، ان چاروں کا پورے شہر میں کہیں کوئی پتا نہیں، پورے شہر کی پولیس ان کی تلاش میں مصروف ہے، خدا جانے ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے، بس صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ انسپکٹر جمشید فرزانہ کے ساتھ ہوٹل نور افشاں گئے تھے، ہوٹل کے مالک کے ساتھ وہ ایک کمرے میں گئے، ان کے داخل ہوتے ہی ایک دھماکا ہوا، اور وہ بے ہوش ہو گئے، ہوٹل کے مالک کو ہوش آیا تو وہ دونوں غائب تھے۔" وہ بتاتے چلے گئے۔

"اور محمود اور فاروق؟" بیگم جمشید نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"ان کے بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی،

تاہم کوشش جاری ہے۔" انہوں نے کہا۔

"یا اللہ رحم!" بیگم جمشید کے منہ سے نکلا۔

"آپ دعا کریں، ہم انہیں تلاش کرنے کی کوششیں تیز تر کر رہے ہیں۔" فون بند ہو گیا۔ بیگم جمشید نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور رکھ دیا، اسی وقت گھنٹی بجی۔ دوسری طرف پروفیسر داؤد تھے، انہوں نے کہا۔

"ہمیں حالات معلوم ہو گئے ہیں، فکر نہ کرنا بھابی، ہم پہنچ رہے ہیں۔"

"شکریہ بھائی جان!" بیگم جمشید کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ ایک بار پھر گھنٹی بجی، اس مرتبہ خان رحمان تھے اور وہ بھی پروفیسر داؤد والی بات کہہ رہے تھے۔

○

پہاڑی کنواں

اچانک فاروق کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں، لیکن یہ ان کا کمرہ نہیں تھا، کیونکہ اس کے چاروں طرف نہ تو دیواریں تھیں نہ پائیں باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی، اس نے سوچا، یہ میں کہاں پہنچ گیا ہوں، کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں، اس نے ہاتھوں کو ادھر ادھر گھمایا، ٹٹولا، اس کا دایاں ہاتھ کسی جان دار سے ٹکرایا، جلدی سے ادھر دیکھا تو وہ محمود تھا، اس کے بالکل ساتھ لیٹا تھا اور اس وقت اسے معلوم ہوا کہ وہ پتھریلی زمین پر لیٹے ہیں۔ اس نے بوکھلا کر محمود کو جھنجھوڑ ڈالا۔ اس کی آنکھ فوراً ہی کھل گئی۔

"ارے! ہم کہاں ہیں؟"

"شاید کوہ قاف میں، کیونکہ ایسے پہاڑوں کا ذکر کوہ قاف والی کہانیوں میں ہی پڑھا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے، ہم پرستان کے کہیں آس پاس ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! کیونکہ پرستان بھی کوہ قاف میں ہی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں کیسے پہنچ گئے؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"کوئی جن یا دیو اُٹھا لایا ہوگا، ویسے مجھے آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ جنوں اور دیوؤں میں کیا فرق ہوتا ہے۔" فاروق بولا۔

"جنوں اور دیوؤں کو دیکھ کر بتاؤں گا، اب یہاں آ گئے ہیں تو ان سے ملاقات بھی ہو ہی جائے گی۔" محمود نے کہا۔

"اب مجھے یاد آیا، وہ سوٹ کیس والے دراصل جن تھے، انسانوں کے بھیس میں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"اوہ! وہ سوٹ کیس والے، انہیں تو میں بھول ہی گیا، در اصل ان دونوں نے مل کر چکر چلایا تھا۔" محمود نے کہا۔

"اور ہم نہایت آسانی سے ان کے چکر میں آ گئے۔" فاروق بولا۔

"لیکن یار، وہ تو ابا جان کا بھی انتظار کر رہے تھے، اس کا مطلب ہے وہ ان کے ہاتھ نہیں لگے۔"

"اگر وہ ان کے ہاتھ نہیں لگے تو پھر وہ ضرور ہمیں ان کی قید سے چھڑانے کے لیے یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے۔۔۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن وہ ہمیں جنوں کی قید سے کس طرح چھڑائیں گے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اسی طرح جس طرح پرانے زمانے کے شہزادے شہزادیوں کو جنوں اور دیوؤں کی قید سے چھڑایا کرتے تھے، ایسے جنوں کی جان عام طور پر کسی پرندے یا جانور میں ہوا کرتی تھی، بس شہزادہ صاحب اس پرندے کی گردن مروڑ دیتے اور جن میاں پٹ سے مر جاتے۔۔۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ جن اتنے بے وقوف کیوں ہوتے تھے کہ اپنی جان کمزور سے پرندے میں داخل کر دیتے تھے۔"

"دنیا میں بے وقوفوں کی کمی نہیں، ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"چلو۔۔۔ اُٹھ کر اس کوہ قاف کی وادی کو دیکھیں۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا، اسی وقت اس کی نظر دائیں طرف پڑی اور وہ بڑے زور سے چونکا۔

"ارے ہائیں! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا کوئی پری نظر آ گئی ہے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"ہاں پری ہی لگتی ہے، لیکن اس کے پر نہیں ہیں۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"بے پر کی پری۔۔۔ یار کیوں بے پر کی اڑا رہے ہو۔" فاروق

نے حیران ہو کر کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں، لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ اس پری کی صورت ہماری بہن فرزانہ سے ملتی جلتی ہے، بے چاری گھر میں امی جان اور ابا جان کے ساتھ پریشان ہو رہی ہو گی۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"اگر میں تمہیں پری لگتی ہوں تو تم بھی پھر پری زاد ہو گئے اور اصل محمود اور فاروق نہ جانے اس وقت کہاں ہوں گے۔" انہیں فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"ارے باپ رے! یہ تو فرزانہ کی آواز ہے۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"ہائیں! تو کیا وہ بھی ہمارے ساتھ ان سوٹ کیس والے جنوں کے قبضے میں آ گئی؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔

اب دونوں نے ایک ساتھ فرزانہ کو دیکھا، وہ ان کے بائیں طرف پڑی تھی اور اس سے دوسری طرف نظر پڑتے ہی وہ دھک سے رہ گئے۔

"اُف اللہ! یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"یہی کہ ابا جان بھی ہمارے ساتھ ہیں۔" محمود نے ہکلا کر کہا۔

"نہیں! بہت دیر سے تمہاری اُوٹ پٹانگ باتیں سن رہا

ہوں۔" انسپکٹر جمشید اس جملے کے ساتھ ہی اٹھتے نظر آئے۔

پھر تو وہ سبھی اُٹھے تھے، جونہی انہوں نے وادی کو چاروں طرف سے دیکھا، ان کے منہ مارے حیرت، خوف اور پریشانی کے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

○

وادی کیا تھی، ایک بہت بڑے قطر کا کنواں تھی، کنواں بھی ایسا جس کی دیواریں اوپر سے بہت کھلی اور نیچے آ کر بہت تنگ ہو گئی تھیں، جیسے شیشے کے گل دان ہوتے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ چاروں طرف اوپر جانے کا بھی کوئی راستہ نہیں تھا۔

"یہ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"ایک کنواں... جس میں جنوں نے ہمیں قید کر دیا ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"تو کیا پرانے زمانے کی جنوں اور پریوں کی کہانیوں میں جس کنویں کا ذکر ہوتا تھا، وہ یہی ہے۔" محمود بولا۔

"معلوم ہوتا ہے، تم آج کل بھی جادوئی اور جنوں بھوتوں کی کہانیاں پڑھتے رہتے ہو، آج جب کہ انسان چاند پر جا پہنچا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ابا جان! آپ نے کوئی رائے نہیں ظاہر کی۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"پہلے تم لوگوں کی تو سن لوں۔" وہ مسکرائے۔

"بتائیے نا۔ آپ کا کیا خیال ہے۔" فاروق بے تاب ہو کر بولا۔

"ہے تو یہ کنویں کی مانند ہی اور یہ بھی درست ہے کہ ہم یہاں قید ہیں، لیکن در اصل ہم انسانوں کی قید میں ہیں۔

"اگر ہم انسانوں کی قید میں ہیں تو ان سے نپٹ لیں گے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان سے نپٹ نہیں سکیں گے۔" فاروق بولا۔

"مایوسی اور کم ہمتی کی باتیں نہ کرو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اچھا!" فاروق نے ایسے لہجے میں کہا جیسے محمود نے اسے بہت پیار سے کوئی بات کہی ہو۔

"ہم ان سوٹ کیس والوں کی قید میں ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان! ان کے چکر میں تو ہم آئے تھے، آپ کیسے پھنس گئے۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہمیشہ یہی ہوتا ہے، تم کہیں نہ کہیں ٹانگ اڑا بیٹھتے ہو اور اس کے بعد ابا جان تمہاری تلاش میں نکلتے ہیں۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میرا خیال ہے، یہ صبح کا وقت ہے اور سورج نکلنے والا ہے، اس کا مطلب ہے، ہم تمام رات یہاں پڑے رہے۔" انسپکٹر جمشید نے ان کی باتوں پر توجہ دیے بغیر کہا۔

"اگر گرمیوں کا موسم نہ ہوتا تو ہم اس وقت قلفیوں میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔" فاروق نے کانپ کر کہا۔

"قلفیوں میں نہیں، قفلیوں میں، اردو تو ٹھیک بولا کرو۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"مانا تم اردو میں بہت تیز ہو، لیکن میرا خیال ہے، لفظ قلفی ہی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"بالکل غلط، محمود! لفظ قفلی ہی ہے۔"

"اگر قفلی ہے تو بہت عجیب لگتا ہے، قلفی مناسب معلوم ہوتا ہے۔"

"بات مناسب اور نامناسب کی نہیں، درست اردو کی ہے، کیوں ابا جان۔"

"بھئی میری اردو کا امتحان نہ لو، میں نے تمام مضامین

انگریزی میں پڑھ رکھے ہیں، ویسے میرا خیال ہے، قلفی ہی ہوتا ہے۔" انہوں نے فیصلہ سنایا۔

"وہ مارا؟" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"کاش! تم نے کوئی پرندہ مارا ہوتا، ہم اُسے بھون کر پیٹ تو بھر سکتے۔" فاروق نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"پرندہ یہاں کیسے مارا جا سکتا ہے اور اگر مار بھی لیا تو بھون کیسے سکتے ہیں۔"

"پرندہ پتھروں کے ذریعے مارا جا سکتا ہے اور گھاس پھوس اکٹھی کر کے لائٹر کے ذریعے سلگا کر پرندے کو بھونا بھی ضرور جا سکتا ہے، ننھا سا چاقو محمود کے جوتے کی ایڑی میں محفوظ ہو گا اور ابا جان کی خفیہ جیب میں لائٹر بھی ضرور ہو گا۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"بہت خوب فرزانہ! بلکہ بہت شاندار ...... ہمارے مہربان دشمنوں کا یہاں دور دور تک پتا نہیں اور ہماری بھوک کے ہماری آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں، کیونکہ ہم رات کا کھانا نہیں کھا سکے تھے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"بلکہ شام کی چائے بھی نہیں پی سکے تھے۔" محمود بولا۔

"اب جب کہ یہاں پرندے اُڑتے نظر آ رہے ہیں اور ہم انہیں شکار بھی کر سکتے ہیں تو کیوں نہ ناشتے کی تیاری کریں۔"

"لیکن کیا یہ پرندے حلال ہیں۔"

"کیوں نہیں، یہ پہاڑی کبوتر اور بٹیر ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اڑتے ہوئے پرندوں پر نظر ڈالی۔

"تو پھر سب سے پہلا پتھر میں ماروں گا۔" فاروق بولا۔

"اور اگر نشانہ چوکا تو اپنا سا منہ لے کر رہ جاؤ گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ابھی کیا کہا جا سکتا ہے، کون کون منہ لے کر رہ جائے گا، ویسے تو ہم اپنے منہ پہلے ہی لیے رہتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"باتیں تو ہم بعد میں بھی کر لیں گے اور اس وقت یہ اور بھی اچھی لگیں گی جب ہم ناشتا کر چکے ہوں گے۔" محمود نے کہا۔

"بات معقول ہے، لہٰذا شکار کا پروگرام شروع، سب سے پہلے فاروق ہی کوشش کرے گا، لیکن ایک پتھر سے زیادہ کوئی نہیں پھینکے گا۔" انسپکٹر جمشید نے اعلان کیا۔

فاروق نے پتھر اٹھایا، اپنے سر سے اوپر اڑتے ہوئے ایک پرندے کا نشانہ لیا اور پتھر دے مارا، لیکن پتھر پرندے

کے پروں کو چھوتا ہوا نکل گیا اور پرندہ آوازیں نکالتا ہوا اونچا
اُڑ گیا۔ فاروق واقعی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ دوسرے پرندے
بھی ہوشیار ہو گئے اور اونچا اڑنے لگے۔

"لیجیے! یہ پتھر مارا ہے انہوں نے۔" فرزانہ بولی۔

"چلو اب تمہاری باری ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"کیا خاک باری ہے، پرندے ہوشیار ہو گئے ہیں۔" فرزانہ
نے منہ بنایا۔

"لو! اب باری بھی خاک ہونے لگی۔" فاروق نے شعر پڑھنے
کے انداز میں کہا۔

"فرزانہ یہاں سے چند قدم آگے جا کر کوشش کرو۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"بہت بہتر!" فرزانہ بولی، اس نے ایک نوکیلا سا پتھر اٹھایا
اور کچھ دور نکل گئی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے نشانہ لے
کر پتھر دے مارا، لیکن اس کے ساتھ بھی وہی ہوا، پرندہ کائیاں
نکلا۔

"اوہو! اب تم بھی اپنا سا منہ لے کر رہ جاؤ۔" فاروق
کھل کھلا کر ہنسا۔

"تم دونوں بس یونہی ہو۔ میں شکار کر کے دکھاتا ہوں۔"

"بس یونہی سے تمہاری کیا مراد۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"بس یونہی سے میری مراد بس یونہی ہے۔" محمود مسکرایا۔

"واہ! کتنی اچھی مراد ہے۔" فاروق چونکا۔

"باتیں کم! ابھی ہم ایک پرندہ بھی نہیں مار سکے۔" انسپکٹر جمشید
نے منہ بنایا۔

"جی بہتر!" محمود نے کہا اور ایک پتھر ہاتھ میں تولتے ہوئے
ایک طرف بڑھنے لگا، جب اس نے دیکھا کہ کچھ پرندے پتھر
کی زد میں آ رہے ہیں تو تاک کر پتھر مارا۔

اس بار پتھر پرندے کے لگا ضرور، لیکن اوچھا لگا، اس کے
کچھ پر جھڑ گئے اور وہ ڈگمگاتا ہوا دور نکل گیا، پھر کچھ دوسرے
پرندوں میں شامل ہو گیا، اس طرح وہ اندازہ نہ لگا سکے کہ
پرندہ گرا یا نہیں۔

"تم بھی ناکام ہی رہے۔"

"اور اب میری باری ہے، ایک پتھر رہ گیا ہے، کیا ایک
پرندے سے پیٹ بھر جائے گا۔"

"تھوڑا تھوڑا بھر لیں گے۔" فاروق نے مسمی صورت
بنا کر کہا اور وہ مسکرا اٹھے۔

انسپکٹر جمشید نے ایک پتھر چنا اور پھر ایک سمت میں
بڑھتے چلے گئے۔ اچانک انہوں نے نشانہ لیے بغیر پتھر فضا میں
اچھال دیا۔ . . پتھر اس تیزی سے گھومتا ہوا اوپر کی طرف

اٹھا جیسے کسی بازی گر کا تھال اور چلاتا ہوا پھر تین چار
پرندوں کے لگا، وہ پھڑپھڑاتے ہوئے ان کے قدموں
میں آ رہے اور تینوں دنگ رہ گئے، انسپکٹر جمشید مسکرا
رہے تھے۔ پھر محمود نے چاقو نکال کر ان کی طرف بڑھا
دیا اور بولا۔

"آپ نے تو کمال ہی کر دیا ابا جان!"

"اس میں کمال کی کیا بات ہے۔۔۔ میں دیکھ چکا
تھا، پرندے بہت چالاک ہیں۔" انہوں نے کہا اور زخمی
پرندوں کو حلال کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد وہ پرندوں کے بھنے ہوئے گوشت سے
ناشتا کر رہے تھے اور پیٹ بھرنے کے بعد سب سے پہلے
محمود چونکا۔

"ابا جان! آخر ہم کہاں ہیں اور یہ چکر کیا ہے؟"

"بہت خوب! تو تمہیں یہ پوچھنے کا خیال آ ہی گیا۔" انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔

"کیا آپ کچھ اندازہ لگا سکے ہیں۔" فرزانہ بے تابی
سے بولی۔

"ابھی تک نہیں، یہ ضرور جان گیا ہوں کہ ہم ان
پہاڑوں کے درمیان سے باہر نہیں نکل سکتے، گویا ہم ایک

کنویں میں قید کر دیے گئے ہیں اور لے دے کے ہمارا
گزارا ان پرندوں پر ہی ہو سکتا ہے۔"

"جو لوگ ہمیں یہاں لائے ہیں، آخر وہ ہم سے کچھ
تو چاہتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں! فکر نہ کرو، وہ بہت جلد نظر آئیں گے اور اس
وقت ہی میں کچھ اندازہ لگانے کے قابل ہو سکوں گا۔"

ابھی ان کے الفاظ ختم ہی ہوئے تھے کہ ایک تیز آواز
ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"خوش آمدید ہمارے مہمانو!"

انہوں نے چونک کر دیکھا، کنویں کے اوپر کنارے
پر تقریباً دس آدمی کھڑے تھے، دور سے ان کے نقش
اور نگار نظر نہیں آ رہے تھے۔

"شکریہ! تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے
گلا پھاڑ کر کہا، کیونکہ ان کا خیال تھا، اس کے بغیر
آواز ان تک نہیں پہنچے گی۔

"ہم تم سے ایک کام لینا چاہتے ہیں۔" اس آواز
نے کہا۔

"کام۔۔۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ٹھہرو۔۔۔۔ میرا آدمی مائیک لینے گیا ہے، میں اس کے ذریعے بات کروں گا۔" اس نے کہا۔

وہ انتظار کرنے لگے۔ انسپکٹر جمشید اور ان تینوں کی نظریں اوپر کھڑے دس آدمیوں پر جمی تھیں اور ایسا موقع ان کی زندگی میں شاید پہلے کبھی نہیں آیا تھا، جلد ہی آواز پھر ان کے کانوں سے ٹکرائی اور اس مرتبہ مائیک میں سے ہو کر آئی:

"تم ساری زندگی بھی اس کنویں سے نکلنے کی کوشش کرتے رہو، نکل نہیں سکو گے۔۔۔۔ یہاں کوئی تمہاری مدد کے لیے بھی نہیں آ سکے گا، کیونکہ یہ علاقہ تمہارے ملک میں شامل نہیں ہے، بلکہ تمہارے ملک سے ہزاروں میل دور ہے، کسی کو خواب میں بھی یہ خیال نہیں آئے گا کہ تم لوگ یہاں ایڑیاں رگڑ رہے ہو، لیکن اگر تم ہمارا ایک کام کر دو تو نہ صرف اس کنویں سے نکال دیے جاؤ گے بلکہ تمہیں تمہارے ملک بھی پہنچا دیا جائے گا، یہ ہمارا وعدہ ہے۔"

"کیا وہ کام ہم کنویں میں رہ کر کریں گے؟" انسپکٹر جمشید نے دونوں ہاتھ منہ کے گرد رکھ کر آواز نکالی۔

"نہیں! اس کے لیے بھی تمہیں کنویں سے باہر نکلنا پڑے

گا، لیکن اس کی صورت اور ہوگی۔"

"بہت خوب! تو پھر پہلے تم ہمیں یہاں سے نکالو، کام بتاؤ، اگر ہم وہ کام کرنے کے قابل ہوئے تو ضرور کریں گے۔"

"ٹھیک ہے، تھوڑی دیر بعد تم اس کنویں سے باہر ہو گے۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کی طرف ایک فائر کیا گیا۔ دھوئیں کا گولا ان کے سروں پر پھٹا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

کالی آنکھ

"شاید اس بار ہم صرف بے ہوش ہی ہوتے رہیں گے اور اس کے سوا کچھ نہیں کر سکیں گے۔" فاروق نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا، ہوش میں آتے ہی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے۔

"شکر کرو، ہوش میں تو آ رہے ہیں۔" محمود کی آواز سنائی دی۔

"شکر ہے تمہاری آواز تو سنائی دی، ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ کہیں تم مستقل طور پر تو بے ہوش نہیں ہو گئے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی، انہیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، ان کے ارد گرد گہرا اندھیرا تھا۔ البتہ وہ یہ ضرور محسوس کر رہے تھے کہ اس مرتبہ کسی کنوئیں میں نہیں، کمرے کے فرش پر لیٹے ہیں۔

"لیکن ہم اندھیرے میں کیوں ہیں۔" محمود نے سوال کیا۔

"شاید سورج غروب ہو گیا ہے اور رات کو اس جگہ کچھ جلایا نہیں جاتا۔" فاروق بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، جو لوگ دھوئیں کے بم استعمال کر سکتے ہیں، زہریلی گیس استعمال کر سکتے ہیں، وہ اندھیرے میں روشنی نہیں کر سکتے۔" محمود نے کہا۔

"نہیں، اس لیے کہ ان کے دل کالے ہیں اور جن کے دل کالے ہوں، وہ اندھیرے ہی پھیلایا کرتے ہیں۔"

"ہائیں — یہ کیا؟" فاروق کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"کیا ہوا... کیا اندھیرے نے کاٹ لیا ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"نہیں، ابھی نہیں کاٹا۔ میں تو اس لیے چونکا ہوں کہ فرزانہ کی آواز اب تک سنائی نہیں دی۔"

"شاید وہ ابھی تک بے ہوش ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فرزانہ... کیا تم ہوش میں ہو۔" فاروق نے اسے پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

انہوں نے کمرے کے فرش کو ٹٹولنا شروع کیا، اس طرح ان کے ہاتھ آپس میں ٹکرائے، تین منٹ تک کوشش کرتے رہنے کے بعد بھی کمرے کے فرش پر فرزانہ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر انسپکٹر جمشید فکر مند لہجے میں بولے۔

"فرزانہ شاید اس کمرے میں نہیں ہے۔"

"اُف خدا، تو کیا وہ اس کنوئیں میں رہ گئی۔" محمود نے تھرتھر

کانپتی آواز میں کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہم لوگ وہاں سے خود نہیں آئے۔۔۔ ہمیں اٹھا کر لایا گیا ہے۔" فاروق بولا۔

"ہاں! اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے کہیں اور رکھا گیا ہے۔"

اسی وقت کمرہ روشن ہو گیا، ان کی آنکھیں چندھیا گئیں اور کہیں پانچ سیکنڈ بعد دیکھنے کے قابل ہو سکیں، سب سے پہلے انہوں نے اپنے ارد گرد دیکھا، فرزانہ واقعی وہاں نہیں تھی، یہ ایک مستطیل کمرہ تھا اور کافی بڑا تھا، لیکن اس میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ بس دیواریں تھیں یا فرش، دروازے میں تین آدمی کھڑے نظر آئے، ان تینوں کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں، ان کے چہرے لمبوترے اور زرد رنگ کے تھے، آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں، قد لمبے تھے، صاف نظر آ رہا تھا۔۔ وہ ان کے ملک کے نہیں تھے، غیر ملکی تھے۔

"تم اپنی بیٹی کے لیے فکر مند ہو انسپکٹر، فکر نہ کرو، وہ بالکل خیریت سے ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"لیکن وہ کہاں ہے، تم نے اسے ہم سے الگ کیوں رکھا ہے؟" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"نرم لہجے میں بات کرو انسپکٹر، اس وقت تم پوری طرح

ہمارے قبضے میں ہو، تمہاری بیٹی ابھی تک اس کنویں میں ہے اور وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں نکالی جائے گی، جب تک کہ تم ہمارا کام نہیں کر دیتے۔"

"تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ مسٹر کالی آنکھ بتائیں گے۔"

"کالی آنکھ۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہمارے ملک میں انہیں کالی آنکھ ہی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔" سٹین گن والے نے کہا۔

"اُف خدا۔ تو۔۔۔ تو تم کالی آنکھ کے ملک سے تعلق رکھتے ہو۔" انسپکٹر جمشید ہکا بکا رہ گئے۔

"ہاں! اور اس وقت تم لوگ بھی ہمارے ملک میں موجود ہو۔" اس نے کہا۔

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، محمود اور فاروق انہیں پریشان ہو کر دیکھنے لگا۔

"ہم تمہیں مسٹر کالی آنکھ کے پاس لے جا رہے ہیں، معاملے کی بات وہی کریں گے، انکار کی صورت میں تمہاری بیٹی اس کنویں سے کبھی باہر نہ نکل سکے گی، وہ پتھروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی۔"

"چلو! میں کالی آنکھ سے بات کروں گا۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہمارے آگے آگے چلو، اگر کوئی غلط حرکت کی تو یہاں تو کچھ بھی ہو، تمہاری بیٹی اپنی جان سے ضرور ہاتھ دھو بیٹھے گی، کیوں کہ اس کنویں تک صرف ہم ہی جا سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

تینوں دروازے سے نکل کر ان کے آگے چلنے لگے، برآمدے میں سے گزرتے ہوئے انہوں نے محسوس کیا، یہ ایک طویل عمارت ہے جس میں بے شمار کمرے ہیں۔

آخر ایک کمرے کے دروازے پر انہیں رکنے کے لیے کہا گیا۔ ایک سٹین گن والے نے آگے بڑھ کر دروازے کا ہینڈل پکڑ کر گھمایا، دوسرے ہی لمحے ایک کھٹکے کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

انہوں نے دیکھا، یہ ایک بہت بڑا ہال تھا، ہال کے آخری سرے پہ دیوار کے ساتھ ایک بہت بڑی کرسی پر کالے رنگ کا ایک آدمی بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی بالکل سیاہ تھیں، لیکن وہ افریقی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

"انسپکٹر جمشید کو یہیں رہنے دو، اس کے دونوں بیٹوں کو گیلری میں لے جاؤ، سلاخوں میں سے یہ نیچے دیکھ سکیں گے، کہ

ان کے باپ کے ساتھ یہاں سلوک ہوتا ہے۔" کالے آدمی نے سرد آواز میں کہا۔

"... بہت بہتر سر..." سٹین گن والوں نے جھک کر کہا اور

اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ یہی کالی آنکھ تھا، اس کا چہرہ کالا ہی نہیں خوفناک بھی تھا، سامنے بچھی میز پر عجیب و غریب چیزیں رکھی تھیں، ان میں کچھ آلات بھی فٹ تھے۔

محمود اور فاروق کانپ اٹھے، انہوں نے بوکھلا کر اپنے ابا جان کی طرف دیکھا، انہوں نے پُرسکون انداز میں ان پر نظر ڈالی اور بولے۔

"فکر نہ کرو۔ جاؤ۔"

دونوں سٹین گن والوں کے ساتھ چلتے ہوئے ہال سے نکل آئے۔ سٹین گنوں والوں نے انہیں بائیں ہاتھ چلنے کا اشارہ کیا، پھر لوہے کا ایک پتلا سا زینہ نظر آیا، انہیں اس پر چڑھنے کا اشارہ کیا گیا۔ دونوں اوپر پہنچے، یہ ایک چھوٹی سی گیلری تھی، ہال کی طرف دروازے کی بجائے ایک جنگلا تھا جس میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ ان سلاخوں میں سے نیچے جھانکا جا سکتا تھا، جونہی وہ اندر داخل ہوئے گیلری کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

"اُف خدا! یہ لوگ ابا جان کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک

کرنا چاہتے ہیں۔" محمود نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"میں صرف ایک بات جانتا ہوں، یہ جو سلوک بھی کریں گے، فرزانہ کے بل پر کریں گے، اگر فرزانہ اس وقت ہمارے ساتھ ہوتی تو شاید ابا جان ان کا کوئی ظلم برداشت نہ کرتے۔" فاروق بولا۔

"ہاں! تمہارا خیال ٹھیک ہے، ایک اور بات یہ ہے کہ ہم اس وقت اپنے ملک میں نہیں ہیں، ہمیں یہ بھی نہیں معلوم، کہ کالی آنکھ کے ملک کے کون سے حصے میں ہیں اور یہاں سے نکلنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔" محمود کا لہجہ فکر مند تھا۔

"ہوں!" فاروق نے ہنکارا بھرا۔

اسی وقت ہال سے اٹھنے والی آوازوں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا، دونوں تیزی سے سلاخوں کی طرف بڑھے اور ان سے اپنے سر لگا دیے۔

○

"انسپکٹر جمشید! پہلے میں تمہیں اپنی طاقت کا نظارہ دکھاؤں گا، اور اس کے بعد وہ کام بتاؤں گا، اگر تم نے منظور کیا اور وہ کام مکمل کر کے یہاں لوٹ آئے تو یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں اور تمہارے تینوں بچوں کو اپنے ملک سے جانے دوں گا، اور

اس کے لیے باقاعدہ تمہیں ہیلی کاپٹر دیا جائے گا، میرا خیال ہے، تم ہیلی کاپٹر اڑا سکتے ہو، اگر نہیں تو پھر میرا ایک آدمی تمہارے ساتھ جائے گا۔"

"میں ہیلی کاپٹر اڑانا جانتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت خوب! انسپکٹر جمشید کو ایک سٹین گن دو۔" کالی آنکھ نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔

"او کے مسٹر کالی آنکھ!" اس نے کہا اور سٹین گن ان کی طرف اچھال دی۔

"انسپکٹر جمشید! اب تم اس سے مجھ پر فائر کرو۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھ پر کوئی اسلحہ کارگر نہیں ہوتا۔" اس نے کہا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے بلٹ پروف بھی نہیں پہن رکھے ہیں اور اس کے باوجود گولی تم پر اثر نہیں کرتی۔"

"ہاں! تم بڑی خوشی سے آگے بڑھ کر میرا جسم ٹٹول کر دیکھ سکتے ہو۔"

"اس کی ضرورت نہیں، لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ ان گولیوں کا کیا حشر ہو گا جو تمہارے جسم پر لگ کر اچٹیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"وہ میرے جسم سے ٹکرا کر کانچ کی گولیوں کی مانند فرش پر گر جائیں گی، فکر نہ کرو، اچٹ کر تمہیں نہیں لگیں گی۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"بہت خوب! میں فائرنگ کیے بغیر ہی اس بات کو درست مانے لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے لاپرواہی سے سٹین گن پھینک دی۔

"کیا مطلب؟" کالی آنکھ نے چونک کر کہا۔

"میں ایک ایسے فارمولے سے واقف ہوں جس کے استعمال کے بعد گولی جسم پر اثر نہیں کرتی۔"

"اوہ!" کالی آنکھ کے منہ سے نکلا۔

"اس کے الٹ میں نے ایسا کوئی فارمولا استعمال نہیں کر رکھا اور اس پر بھی تم سٹین گن سے مجھ پر فائرنگ کر کے دیکھ لو" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گویا تم وار بچا جاؤ گے؟" کالی آنکھ کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"ہاں!" انسپکٹر جمشید کی آواز ہال میں گونج اٹھی۔

"بات پستول کی نہیں، سٹین گن کی ہو رہی ہے، پستول کی گولی سے تو اکثر لوگ بچنا جانتے ہیں۔"

"میں، سٹین گن کی بات کر رہا ہوں۔"

"میرا نشانہ بہت پختہ ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی گولی تمہیں لگ جائے، کیونکہ ابھی ہمیں تم سے کام لینا ہے۔"

"تمہاری مرضی۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

"لیکن میں تمہیں یہ ضرور بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ جیسے ہوا میں اڑتا ہوا انسپکٹر جمشید کی طرف آیا اور اس کا سر ان کے سینے سے اس قدر زور سے ٹکرایا کہ وہ سامنے کی دیوار سے پوری قوت سے ٹکرائے انہیں اس حملے کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ ان کا تو خیال تھا کہ کالی آنکھ خود کوئی کام کرنے کی بجائے اپنے آدمیوں سے کام لینے کا عادی ہے، لہٰذا وہ دیوار سے ٹکرائے اور دھڑام سے گرے۔ انہیں یوں لگا جیسے ان کے جسم کا ایک ایک جوڑ الگ ہو گیا۔

"اٹھو انسپکٹر! میں نے تمہاری بہت تعریف سنی ہے، اتنی کہ سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے سر اوپر اٹھایا، اپنی جسمانی حالت پر غور کیا، اور پھر ایک دم کھڑے ہو گئے۔

"بہت خوب! میرے لیے بہت حیرت کی بات ہے کہ تم اٹھ کر کھڑے تو ہو گئے، ورنہ میرے سر کی ٹکر کھانے کے بعد تو لوگ مر جایا کرتے ہیں۔" کالی آنکھ نے خوش ہو کر کہا۔

"اسے خدا کی قدرت کہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کی مسکراہٹ ...

کمزوری جھلک رہی تھی۔

"اب میں تمہیں کچھ اور کمال دکھاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا، تیزی سے جھکا اور پھر اس نے انسپکٹر جمشید کو اس طرح اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھا لیا، جیسے وہ کوئی کھلونا ہوں، یہی نہیں . . . اوپر اٹھاتے ہی اس نے ان کے دائیں ہاتھ کی کلائی ایک ہاتھ سے پکڑ لی اور پھر باقی جسم کو یک دم چھوڑ دیا، انسپکٹر جمشید کسی کٹے ہوئے تنے کی مانند نیچے کی طرف آئے، لیکن گرنے سے پہلے ہی انہیں ایک زبردست جھٹکا لگا۔ دوسرے ہی لمحے کالی آنکھ اپنے ہاتھ کو چاروں طرف گھما رہا تھا اور خود انہی قدموں پر کھڑا تھا، بالکل اس طرح جیسے بچے کسی ڈوری کے سرے پر پتھر کا ٹکڑا باندھ کر اسے اپنے چاروں طرف گھما لیتے ہیں، گھماتے گھماتے کالی آنکھ نے کہا۔

"انسپکٹر جمشید! اب اگر میں تمہیں کسی طرف اچھال دوں، تو تمہاری ہڈی پسلی ایک ہو جائے، مگر میں ایسا نہیں کروں گا، ابھی تو مجھے تم سے کام لینا ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ہاتھ کی گردش روک دی، انسپکٹر جمشید کا گھومتا ہوا جسم ایک جھٹکے سے رک گیا۔ پھر کالی آنکھ نے ان کی کلائی بھی چھوڑ دی اور وہ بے دم ہو کر گر پڑے۔ کالی آنکھ

نے انہیں مسکرا کر دیکھا اور اپنی کرسی کی طرف مڑ گیا، اس تک جانے کے لیے اس نے قدم نہیں اٹھائے، بلکہ پہلے کی طرح چھلانگ لگائی اور ہوا میں تیرتا ہوا کرسی پر پہنچ گیا۔

"اب معاملے کی بات ہو جائے۔"

اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

○

جاسوسی کا پیریڈ

محمود اور فاروق کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی حیرت سمٹ آئی تھی، اس حیرت میں بلا کا خوف بھی شامل تھا، وہ ابھی تک آنکھیں پھاڑے نیچے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے آج تک ایسا مقابلہ نہیں دیکھا تھا، جس میں ان کے والد کو ہاتھ پیر ہلانے کی مہلت تک نہ ملی ہو۔ انہوں نے محسوس کیا، زندگی میں وہ اس سے زیادہ خوفناک حالات میں شاید ہی گھرے ہوں گے، ان کے کان نیچے لگے تھے اور وہ بار بار ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں، اب کیا ہوگا، انہوں نے سنا، کالی آنکھ کہہ رہا تھا۔

"بات یہ ہے انسپکٹر جمشید کہ ہمارے دشمن ملک نے ہمارا ایک قیمتی فارمولا چرا لیا ہے اور اب اس فارمولے پر تجربات کر رہا ہے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ فارمولا ان سے واپس حاصل کر کے اس عمارت کو تباہ کر دیا جائے جس میں وہ تجربات ہو رہے ہیں، لہٰذا ہم تمہیں اور تمہارے دونوں بچوں کو وہاں

بھیجنا چاہتے ہیں، تمہیں ایک ہیلی کاپٹر دیا جائے گا جو عام ہیلی کاپٹر نہیں ہے، اس پر توپ کا گولا بھی اثر نہیں کر سکتا۔ وہ بے آواز ہے، اگر اس کی لائٹیں آف کر کے کوئی ماہر پائیلٹ اڑائے تو چند قدم پیچھے کھڑے کسی انسان کو بھی پتا نہ چلے گا کہ اس کے سر پر سے کیا چیز گزر گئی۔ البتہ اسے یہ ضرور محسوس ہوگا کہ کوئی پرندہ تھا جو گزرا ہے، ہیلی کاپٹر پرندے کی شکل کا بنایا گیا ہے، تمہاری مدد کے لیے تمہارے دونوں بیٹے ساتھ ہوں گے، تمہیں چوبیس گھنٹے کا وقت دیا جائے گا، ہمارے خیال میں یہ مہم پورے چوبیس گھنٹے کی ہے، اس پر ایک منٹ بھی کم یا زیادہ صرف نہیں ہوگا، ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد ہم اسی عمارت کے باہر تمہارا انتظار کریں گے، جب تم فارمولا ہمارے حوالے کر دو گے تو میں اسی وقت اپنے آدمیوں کو بھیج کر تمہاری بیٹی کو اس پہاڑی کنوئیں سے یہاں بلوا دوں گا، پھر تم اسی ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر اپنے ملک جا سکو گے، یہ بات واضح کر دوں کہ وہ ملک تمہارا دوست ملک نہیں ہے، نہ ہی تمہارا دشمن ملک ہے، اس سے تمہارا کوئی خاص تعلق نہیں ہے، البتہ وہ ہمارا دشمن ضرور ہے اور اسی لیے اس نے فارمولا چرا لیا ہے، نقشے پر تمہیں راستے کے بارے میں صرف چند منٹ میں سمجھا دیا جائے گا، دس گھنٹے کا راستہ ہے، اس

طرح بیس گھنٹے آنے جانے میں صرف ہوں گے، چار گھنٹے وہاں
کی مہم کے لیے دیے گئے ہیں۔ وہ عمارت ایک پہاڑ کی چوٹی پر
بنائی گئی ہے، پہاڑ عمودی ہے، اس پر چڑھنا ناممکن ہے، صرف
ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہی عمارت کی چھت پر اُترا جا سکتا ہے،
اس کے اندر صرف تین آدمی کام کرتے ہیں، ایک سائنس دان
دو اس کے اسسٹنٹ۔ بس ان سے فارمولا حاصل کرنا ہے،
اس کے بعد اس عمارت میں ڈائنامیٹ فٹ کرنے ہیں، اس
کام سے فارغ ہو کر تم لوگ واپس ہیلی کاپٹر پر آ جاؤ گے،
اور پرواز شروع کر دو گے اور سیدھے یہاں آؤ گے۔" یہ کہہ کر
کالی آنکھ خاموش ہو گیا۔

"اگر یہ اتنا ہی آسان کام ہے تو خاص طور پر مجھے ہی
کیوں اغوا کرایا گیا، یہ تو تم اپنے کسی آدمی کے ذریعے بھی
کرا سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"میں نے کب کہا کہ یہ کام آسان ہے، کام انتہائی مشکل
ہے۔ اس وقت تک اس مہم پر پچیس آدمی روانہ کیے جا
چکے ہیں اور وہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ہیلی کاپٹروں سمیت وہ
نہ جانے کہاں رہ گئے، ان کے ساتھ کیا بیتی۔ یہی وجہ ہے کہ
اس کام کے لیے تمہارا انتخاب کیا گیا۔" اس نے جواب دیا۔

"یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، مجھ سے کہیں زیادہ

طاقت ور تو تم خود ہو، تو پھر تم نے کیوں کوشش نہیں کی۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہا ہا ہا۔" کالی آنکھ نے ان کا سوال سن کر ایک بھیانک قہقہہ
لگایا، پھر بولا۔ "جب میں تم جیسوں کو اٹھوا سکتا ہوں تو خود
کیوں جاؤں، دیکھو نا۔۔۔ تم مجبور ہو اس اقدام پر کہ یہاں سے
جاؤ اور فارمولا لے کر آؤ، ورنہ تمہاری بیٹی اس پہاڑی کنویں
میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گی۔"

"بہتر! یہ بھی اب بتا دو کہ ہم یہاں واپس آنے کے بعد
اپنے ملک کس راستے سے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جب تم فارمولا لے آؤ گے تو تمہیں راستے کے بارے میں
بتا دیا جائے گا۔" کالی آنکھ نے کہا۔

"نہیں! یہ مجھے ابھی بتانا ہو گا، ہو سکتا ہے، بعد میں تم
راستے کے بارے میں نہ بتاؤ اور ہم فضا میں بھٹکتے پھریں۔۔۔
پھر ہیلی کاپٹر کا ایندھن ختم ہو جائے اور ہم گر پڑیں۔"

"بہت خوب! روانہ ہونے سے پہلے ہی تمہیں نقشہ دے
دیا جائے گا۔"

"یہ ہوئی نا بات! یہاں سے کب جانا ہے؟" انہوں نے
پوچھا۔

"ابھی اور اسی وقت ۔ اور کل ٹھیک اسی وقت تمہیں واپس

آتا ہے، تمہارے اس وقت تک یہاں نہ پہنچنے کی صورت میں
تمہاری بیٹی کو اس کنوئیں کے اندر ہی ہلاک کر دیا جائے گا۔

"بار بار ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔" انہوں نے بُرا سا منہ
بنایا، پھر انہوں نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی، رات کا ڈیڑھ
بج رہا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں رات کو ڈیڑھ بجے
واپس آنا تھا۔

انہیں اس ملک کے راستے کا نقشہ دے دیا گیا اور سمجھا
بھی دیا گیا، پھر محمود اور فاروق کو ان تک پہنچا دیا گیا، وہ بھی
ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ اس پہاڑی عمارت کا نقشہ انہیں
پہلے ہی اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا۔

چند سیکنڈ بعد وہ فضا میں اڑے جا رہے تھے۔ اونچائی
پر پہنچ کر فاروق کے منہ سے پہلا جملہ نکلا۔

"ابا جان! اس بار تو ہم بہت بُرے پھنسے۔"

○

انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔ دونوں نے ان کی مسکراہٹ کو
غور سے دیکھا۔

"ہم تو ہمیشہ ہی بُرے پھنستے ہیں، کون سی نئی بات ہے۔"

"اگر اس وقت فرزانہ ہمارے ساتھ ہوتی تو ہم اس

پہاڑی عمارت کی طرف سفر کرنے کی بجائے اپنے ملک جا رہے
ہوتے۔" محمود نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"فکر نہ کرو، یہ سوچ لو کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ جب کالی آنکھ کے پچیس کے قریب آدمی
اس وقت تک اس مہم میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں،
تو پھر ہم کیا کر سکیں گے۔ ضرور اس عمارت کے ارد گرد کوئی
جال بچھایا گیا ہوگا۔" محمود بولا۔

"اس عمارت میں صرف تین آدمی کام کرتے ہیں، اس کا مطلب
ہے، عمارت کی حفاظت کا بندوبست مشینی انداز کا ہوگا، ہو سکتا
ہے، چاروں طرف بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا ہو، یا ایسا ہی کوئی
انتظام ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ تو ٹھیک ہے، لیکن میرا سوال تو پھر بھی اپنی جگہ پر
ہے، جب پچیس آدمی باری باری جا کر کچھ نہ کر سکے، بلکہ
ہیلی کاپٹروں سمیت واپس بھی نہیں آ سکے تو ہم ہی کیا کر
لیں گے۔" محمود نے کہا۔

"یہ تو ہمیں وہاں چل کر پتا چل سکتا ہے کہ کیا کر سکتے
ہیں۔"

"اور فاصلہ بھی تو دیکھیے، پورے دس گھنٹے کا ہے، یعنی ہم
دس گھنٹے تک اسی ہیلی کاپٹر میں بند رہیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"دس گھنٹے تو تمہاری زبان باتیں کرتی نہیں تھکے گی، لہذا پتا بھی نہیں چلے گا، کب گزر گئے۔" محمود بول اٹھا۔

"تم نے کس طرح اندازہ لگا لیا کہ دس گھنٹے تک میری زبان نہیں تھکے گی، ہو سکتا ہے، اس سے بہت پہلے ٹھپ ہو جائے یا بیس گھنٹوں تک بھی رکنے کا نام نہ لے۔" فاروق نے کہا۔

"تمہاری زبان ہے تم ہی جانو۔" محمود نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میرے ذہن میں ایک سوال ابھر رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ان کی باتوں کی طرف توجہ دیے بغیر کہا۔

"جی! تو پھر اسے ہمارے ذہنوں میں بھی ڈال دیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"آخر پہاڑی کنویں میں ہم پر دھوئیں کا بم کیوں چھوڑا گیا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"تاکہ ہم بے ہوش ہو جائیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں، وہ ہمیں بے ہوش کیوں کرنا چاہتے تھے۔"

"اوہ! واقعی، یہ بات سوچنے کی ہے۔" محمود چونکا۔

"تو پھر سوچو، میں اس سوال کا جواب تم سے سننا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ج... جی بہتر!" فاروق ہکلایا۔

پھر دونوں سوچ میں گم ہو گئے، اچانک فاروق نے سر اوپر اٹھایا۔

"لیکن ابا جان! ہم کس طرح سوچ سکتے ہیں۔"

"کیا ہوا، تمہاری سوچ پر کسی نے پہرہ لگا دیا ہے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی نہیں! میرا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ فرزانہ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں، اور سوچ کے لیے سرا وہی تلاش کیا کرتی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کام کی عادت ڈالو، ذہنوں پر زور دو۔" انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

"جی بہت اچھا... محمود! ہم اس ہیلی کاپٹر میں ذہنوں پر زور کس چیز سے ڈالیں؟" فاروق اس کی طرف مڑا۔

"فضول باتیں نہ کرو، یہ وقت سنجیدگی سے سوچنے کا ہے۔" محمود جھنجلا اٹھا۔

"بہت اچھا! ہو جاؤ سنجیدہ، لیکن میرا خیال ہے، جب ہم سنجیدہ ہو جاتے ہیں تو پھر کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکتے۔" فاروق بھلا کہاں خاموش ہونے والا تھا۔

"ابا جان! آپ تو اس مہارت سے ہیلی کاپٹر چلا رہے ہیں،

جیسے اس سے پہلے ہیلی کاپٹر چلانے کے سوا کوئی کام کیا ہی نہ ہو۔" محمود نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا، انسپکٹر جمشید واقعی ہیلی کاپٹر کو نہایت خوبی سے اڑا رہے تھے۔

"میں نے اس کی باقاعدہ تربیت لے رکھی ہے، یہی نہیں، میں تو ہوائی جہاز اور لڑاکا طیارے بھی اڑا لیتا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"حیرت ہے! آپ نے ہمیں کبھی نہیں بتایا۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"اب میں تمہیں اپنے منہ سے کیا کیا بتاؤں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کا مطلب ہے، آپ کو ایسے نہ جانے کتنے کام آتے ہیں، جن کے بارے میں ہمیں بالکل معلوم نہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں!" ان کے منہ سے نکلا۔

"لیکن یہ کالی آنکھ کیا چیز ہے؟" فاروق نے پریشان لہجے میں کہا۔

"دنیا کا خوفناک ترین آدمی۔"

"کیا جیرال سے بھی بڑھ کر؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"جیرال کے پائے کا ہی سمجھو۔۔۔" انہوں نے کہا۔

"ہمیں حیرت اس بات پر ہے کہ آپ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کر سکے۔" فاروق نے کہا۔

"تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو کیا آپ نے جان بوجھ کر ہاتھ پیر نہیں ہلائے تھے۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ طاقت ور اور پھرتیلا ترین آدمی ہے، خوفناک حد تک تیز طرار ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے اس لڑائی میں بچنے کی بالکل کوشش نہیں کی، یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں بچنے کی کوشش کرتا اور کامیاب نہ ہوتا۔"

"لیکن آپ نے بچاؤ کی کوشش کیوں نہیں کی؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس لیے کہ فرزانہ ان کے قبضے میں تھی اور میں چاہتا تھا، جو وہ چاہتا ہے، وہی ہو۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہ!" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ہیلی کاپٹر کے چاروں طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ بس ہیلی کاپٹر کی ہیڈ لائٹیں جل رہی تھیں اور یہ لائٹیں بھی انہیں پہاڑی عمارت کے نزدیک بجھا دینی تھیں۔

"ہاں! ہماری سب سے بڑی مجبوری یہی ہے کہ فرزانہ ان کے قبضے میں ہے۔" انہوں نے کہا۔

"اور یہ بھی کہ ہم اپنے ملک سے باہر ہیں۔"

"یہ کوئی ایسی بات نہیں، کالی آنکھ کے ملک سے نکلنا اگرچہ بہت مشکل ہے اور راستے میں کئی مشکلات اور رکاوٹیں پیش آ سکتی ہیں، تاہم ناممکن نہیں۔" انہوں نے کہا پھر چونک کر بولے۔

"میں نے تمہارے ذمے جو کام لگایا تھا۔ وہ تم دونوں گول کر گئے۔"

"جی!! کون سا کام؟" فاروق چونکا۔

"تمہیں یہ سوچنا ہے کہ انہوں نے پہاڑی کنویں میں ہم پر دھوئیں کا بم کیوں چھوڑا تھا۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہم بھول ہی گئے۔" فاروق چونکا۔

"بھول نہیں گئے، گول کر گئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"چلیے یہی سہی! ہم ابھی سوچ کر بتا دیتے ہیں۔" محمود جلدی سے بولا۔

"تو پھر سوچو، جلدی کرو۔" انہوں نے کہا۔

"جی بہت بہتر! آؤ فاروق ذرا رفتار بڑھا دیں۔" محمود نے کہا۔

"رفتار، کس چیز کی، ہیلی کاپٹر تو ابا جان اڑا رہے ہیں۔"

"میں سوچ کی رفتار بڑھانے کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم سوچ کی رفتار بڑھانے کے بارے میں سوچ رہے ہو۔"

"سوچ کی گردان کرنے کا ارادہ تو نہیں تمہارا۔" محمود نے جل کر کہا۔

"یہ اردو کا نہیں جاسوسی کا پریڈ ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اگر تم اسی طرح باتیں کرتے رہے تو مزید ہی سوچ لو گے۔"

انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"ابا جان! دراصل ہم اس لیے باتیں بنا رہے ہیں کہ ہم یہ بات پہلے ہی سوچ چکے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا کہا! سوچ چکے ہو!" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! کیا ہم آپ کو اپنی سوچ کے بارے میں بتا دیں۔"

"ہاں! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے بھی یہی سوچا ہے، جو میں نے، یا کچھ اور!" انہوں نے کہا۔

دونوں نے انہیں بتا دیا کہ ان کے خیال میں کالی آنکھ کے آدمیوں نے پہاڑی کنویں میں ان پر دھوئیں کا بم کیوں چھوڑا تھا۔

انسپکٹر جمشید حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور پھر ان کے منہ سے نکلا۔

"بالکل یہی بات میں نے بھی سوچی تھی۔"

O

تجربہ گاہ میں

ٹھیک بیس گھنٹے کے سفر کے بعد انہیں پہاڑی عمارت دکھائی دینے لگی، اب وہ اس سے صرف ایک منٹ کے راستے پر تھے، اونچے سے مینار والی اس عمارت کی روشنیاں دور سے ہی نظر آ رہی تھیں۔

"جونہی ہم ان روشنیوں کی زد میں پہنچیں گے، عمارت میں موجود تینوں سائنس دان ہمیں دیکھ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"وہ کیسے؟" محمود نے پوچھا۔

"عمارت کے چاروں طرف ٹیلیویژن کیمرے فٹ ہوں گے، ان کے علاوہ کچھ اور آلات بھی نصب ہوں گے جو انہیں خبردار کر دیتے ہوں گے۔"

"پھر آپ کیا کریں گے۔" محمود نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"اس عمارت کی چھت پر اتروں گا، لیکن اس سے پہلے

میں ایک نیا کام کروں گا، کالی آنکھ کے جو آدمی یہاں آتے رہے ہیں، وہ ضرور ہیلی کاپٹروں کی تمام روشنیاں بجھا کر عمارت پر اترتے رہے ہوں گے تاکہ ان کی آمد کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، جب کہ میں باقاعدہ خبر دے کر اتروں گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر کی تمام روشنیاں جگمگا اٹھیں، رفتار کم ہو گئی اور وہ عمارت کے اوپر منڈلانے لگا جیسے کوئی بہت بڑا پرندہ اپنے شکار کے گرد۔ اس کے بعد انہوں نے وائرلیس سیٹ آن کیا اور اس میں ہیلو ہیلو کرنے لگے، فوراً ہی دوسری طرف سے جواب ملا۔

"ہیلو! ادھر کون ہے؟"

"دوست!" انسپکٹر جمشید نے مختصراً کہا۔

"ہمارے دوست اس طرح عمارت کی طرف نہیں آتے، اور نہ وائرلیس پر ہیلو ہیلو کرتے ہیں۔" جواب ملا۔

"وہ آپ کے ملک کے ہوتے ہوں گے، میں ایک دوسرے ملک سے تعلق رکھتا ہوں، لیکن دوست ہوں اور دوستی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم کیسے یقین کریں، کیونکہ اس سے پہلے پچیس کے

قریب ہیلی کاپٹروں والے ادھر آئے اور تباہ کر دیے
گئے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔
"کیا وہ بھی اسی طرح روشنیاں جلا کر آئے تھے؟"
"نہیں! انھوں نے چوری چھپے عمارت کی چھت پر اترنے
کی کوشش کی تھی۔"
"تو پھر اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان میں سے نہیں
ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"یہ تم لوگوں کی چال بھی ہو سکتی ہے۔" کہا گیا۔
"تم لوگ اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لو، ہم اطلاع دے
کر آ رہے ہیں اور اس عمارت کے اندرونی حصوں اور
انتظامات سے بے خبر ہیں، ایسی صورت میں بھلا ہم آپ
کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"
"بہت خوب! تم تعداد میں کتنے ہو۔" دوسری طرف سے
پوچھا گیا۔
"تین! ایک جوان آدمی اور دو لڑکے۔"
"لڑکے! کیا مطلب؟"
"میرے ساتھ میرے دو لڑکے ہیں، اسی سے تم اندازہ لگا
سکتے ہو کہ ہم بری نیت سے نہیں آئے۔"
"کیا تم اپنے نام اور ملک کا نام بتاؤ گے۔"

"ہاں! کیوں نہیں!" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے انہیں
صاف صاف بتا دیا اور محمود اور فاروق انہیں حیرت بھری
نظروں سے دیکھنے لگے، وہ سمجھ نہیں سکے تھے کہ ان کے
ذہن میں کیا ترکیب ہے، انسپکٹر جمشید نے ان کی حیرت
بھری نظروں کا جواب مسکرا کر دیا۔ دوسری طرف سے حیرت
زدہ آواز سنائی دی۔
"تم... تم انسپکٹر جمشید ہو!"
"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔"
"ہم حیران ہیں، تمہارا ملک کسی غیر جانب دار ملک کے
معاملات میں ٹانگ نہیں اڑاتا، اس معاملے میں تمہارا ملک
بہت نیک نام ہے۔"
"بے فکر رہیں، ہم اب بھی ٹانگ اڑانے نہیں، نکالنے
آئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"ٹانگ نکالنے... یہ کیا بات ہوئی۔"
"اب جب کہ ہم اپنا تعارف کرا چکے ہیں اور آپ ہمارے
ملک کا نام سن کر مطمئن بھی ہو گئے ہیں، کیا یہ بہتر نہیں
ہو گا کہ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کر لیں، ویسے بھی ہمارے
پاس وقت کم ہے، ہمیں ٹھیک اڑھائی گھنٹے بعد یہاں سے
ہر حال میں واپس روانہ ہونا ہے۔"

"ابا جان! اڑھائی گھنٹے نہیں۔۔۔"

"اوہ ہاں! اڑھائی گھنٹے نہیں، صرف سوا دو گھنٹے میں واپس جانا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے فاروق کی بات کاٹ دی، ورنہ وہ تو یہ کہنے والا تھا کہ چار گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہونا ہے۔" فاروق ساکت رہ گیا، وہ جان گیا کہ اس سے کیا غلطی سرزد ہونے والی تھی۔

"ٹھیک ہے، تم لوگ چھت پر اتر سکتے ہو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی محمود اور فاروق دنگ رہ گئے۔ ان کے والد نے پہلا مرحلہ کتنی آسانی سے طے کر لیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ چھت پر اتر رہے تھے۔ یہ ایک بہت بڑی چھت تھی اور ایسے کئی ہیلی کاپٹر اس پر اتارے جا سکتے تھے، جونہی ہیلی کاپٹر چھت پر اترا، آواز آئی۔

"زینہ اتر کر جو سب سے پہلا کمرہ نظر آئے، اس میں آ جاؤ۔"

وہ زینہ اترنے لگے۔ آخری سیڑھی اترتے ہی ایک کھلا دروازہ نظر آیا، انہوں نے اسے دھکیلا تو کھلتا چلا گیا۔ تینوں بغیر کسی خوف کے اندر داخل ہو گئے، دروازہ ان کے پیچھے خود بخود بند ہو گیا، اس کے ساتھ ہی وہی آواز پھر ابھری جو اس وقت تک سنائی دیتی رہی تھی۔

"پروفیسر رابط اور اس کے اسسٹنٹ اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ اگر آپ میں سے کسی کی جیب میں کوئی اسلحہ وغیرہ ہے تو نکال کر میز پر رکھ دے۔"

سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نے اپنی جیبیں خالی کر دیں، پستول انہیں کالی آنکھ نے دیا تھا، اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں دی تھیں، وہ سب اب میز پر پڑی تھیں، انہوں نے محمود اور فاروق سے کہا۔

"تم بھی اپنے پاس کچھ نہ رہنے دو۔"

محمود اور فاروق نے بھی جیبیں خالی کر دیں۔ انسپکٹر جمشید کو کچھ خیال آیا اور انہوں نے محمود سے کہا۔

"جوتے کی ایڑی میں جو چاقو ہے، وہ بھی میز پر رکھ دو۔"

محمود نے انہیں حیران ہو کر دیکھا، اس کا خیال تھا کہ عمارت میں موجود لوگوں کو اس چاقو کے بارے میں تو معلوم ہو گا ہی نہیں، پھر بھلا اسے کیوں نکالا جائے، لیکن خود انسپکٹر جمشید نے ہی انہیں چاقو کی موجودگی سے باخبر کر دیا تھا، اس نے ایڑی کھسکا کر چاقو نکالا اور دوسری چیزوں کے ساتھ میز پر رکھ دیا۔

"اب ہم میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں،" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"بہت خوب! اب آپ لوگ ہمارے پاس آ سکتے ہیں، دروازے خود بخود کھلتے چلے جائیں گے، آپ ان میں داخل ہوتے چلے جائیں۔"

"شکریہ پروفیسر!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

اس کے ساتھ ہی کمرے کی دائیں دیوار والا دروازہ بغیر آواز کے کھل گیا، وہ اس میں داخل ہو گئے۔ دروازہ ان کے پیچھے خود بخود بند بھی ہو گیا، یہ بھی ایک بڑا کمرہ تھا، فوراً ہی دوسری طرف کا دروازہ کھلا اور وہ آگے بڑھے۔

اسی طرح چلتے ہوئے انہوں نے پانچ کمرے عبور کیے، چھٹے کمرے میں داخل ہوئے تو ٹھٹھک کر رہ گئے۔ یہاں تین آدمی آرام کرسیوں میں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے چہروں پر دوستانہ مسکراہٹیں تھیں، کمرے میں ہزارہا آلات نصب تھے۔

"میں پروفیسر راباط ہوں، یہ دونوں میرے اسسٹنٹ مسٹر شروف اور رانوف ہیں۔"

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی، میں انسپکٹر جمشید ہوں، یہ محمود اور فاروق ہیں۔"

"ہم لوگ آپ کا ذکر اکثر سنتے رہتے ہیں۔" پروفیسر

راباط بولا۔

"کرسیوں پر تشریف رکھیے اور اس کے بعد یہاں تک آنے کا مقصد بتایئے، ہم بہت حیران ہیں کہ آپ اس طرح یہاں تک آ گئے، آپ لوگ تو حکومت کے ذریعے سے بھی یہاں آ سکتے تھے۔" رانوف بولا۔

"ہم یہاں خود نہیں آئے، ہمیں بھیجا گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب! کیا آپ کی حکومت نے بھیجا ہے۔" پروفیسر راباط بری طرح چونکا۔

"جی نہیں! ہماری حکومت کو تو معلوم بھی نہیں کہ ہم اس وقت کہاں ہیں، در اصل ہمیں کالی آنکھ نے بھیجا ہے اور فارمولا حاصل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔"

"کیا!!!" پروفیسر راباط اور اس کے دونوں ساتھی کرسیوں سے اچھل کر کھڑے ہو گئے، ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔

○

کچھ دیر کے لیے کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی، یوں جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ آخر پروفیسر راباط کی آواز کمرے میں گونجی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس مقصد کے لیے یہاں آئے ہوں گے . . . کالی آنکھ کے اس وقت تک ہم پچیس آدمی بھسم کر چکے ہیں اور اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ بھی اس کے بھیجے ہوئے ہیں تو اس وقت یہاں نہ ہوتے، عمارت کی چھت پر ہی جل کر راکھ ہوگئے ہوتے، ہیلی کاپٹر بھی جھک سے اُڑ گیا ہوتا اور ہمیں صرف ایک بٹن دبانا پڑتا، لیکن خیر . . . اب بھی کچھ نہیں ہوا، ہم نے آپ لوگوں کے ہتھیار تو رکھوا ہی لیے ہیں، اب آپ تینوں ہاتھ اوپر اُٹھا دیں۔"

"آپ نے پوری بات نہیں سنی۔" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے پُر سکون آواز میں کہا۔

"پوری بات! پوری بات اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ لوگ فارمولا چرانے آئے ہیں۔" شروف نے کہا۔

"جب تک آپ پوری بات نہیں سنیں گے، کچھ نہیں سمجھ سکیں گے۔"

"خیر! ہم پوری بات بھی سن لیتے ہیں، لیکن اگر آپ ہمیں مطمئن نہ کر سکے تو جن کرسیوں پر بیٹھے ہیں، انہی پر بیٹھے بیٹھے ختم ہو جائیں گے۔" پروفیسر رابط بولا۔

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے اور بچوں کے اغوا کے بارے میں تفصیل سے بتایا، پھر کالی آنکھ سے ملاقات کی تفصیل سنائی اور فرزانہ کے بارے میں بھی بتایا کہ وہ اس وقت کہاں ہے، پوری تفصیل سنانے کے بعد وہ خاموش ہو گئے۔

تینوں سائنس دان سوچ میں ڈوب گئے، ابھی تک وہ یہ نہیں جان سکے تھے کہ انسپکٹر جمشید چاہتے کیا ہیں۔

"پوری بات تو ہم نے سن لی، لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا، آپ کیا چاہتے ہیں۔" پروفیسر رابط کے لہجے میں الجھن تھی۔ "اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم آپ کی بیٹی کی زندگی بچانے کے لیے وہ فارمولا آپ کے حوالے کر دیں گے تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ اس فارمولے کے ذریعے ہم کالی آنکھ کے ملک جتنے طاقت ور ہو جائیں گے اور آئے دن جو وہ دھمکیاں دیتا رہتا ہے، اس سے ہمیں نجات مل جائے گی، ہم اتنی بڑی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، بھلا فارمولا کس طرح آپ کے حوالے کر دیں گے۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"میں جانتا ہوں، آپ کسی قیمت پر فارمولا نہیں دیں گے، کالی آنکھ کے پاس سے روانہ ہوتے وقت بھی مجھے

یہ بات معلوم تھی، اس کے باوجود میں یہاں آیا ہوں، اس
لیے نہیں کہ میں مجبور تھا، بلکہ اس کی تو کوئی اور ہی وجہ
تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا وجہ تھی؟" پروفیسر راباط نے حیران ہو کر کہا۔

"وجہ میں بعد میں بتاؤں گا، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ
فارمولا ہے کیا بھلا۔"

"جنگ کے دوران استعمال ہونے والے ایک ہتھیار کا فارمولا
ہے، جو چند گیسوں کی مدد سے تیار کیا جائے گا۔" پروفیسر
نے کہا۔

"کیا ان لوگوں کے پاس اس کی نقل نہیں ہو گی۔" انسپکٹر جمشید
نے پوچھا۔

"فارمولے کی نقل تیار نہیں کی جاتی، ایک ہی کی حفاظت
کرنا مشکل ہو جاتا ہے، نقل تیار کرنے کی صورت میں تو...
دو کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔" راتوف نے کہا۔

"ہوں! کیا آپ اس فارمولے کا جائزہ لے چکے ہیں، آپ
لوگ وہ بم بنا لیں گے۔"

"ہاں! بنا لیں گے۔" پروفیسر راباط نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

"لیکن جس سائنس دان نے وہ فارمولا تیار کیا ہے، کیا اسے
دوبارہ نہیں بنا لے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔" اور اس طرح دونوں

ملکوں کے پاس ایک ہی قسم کے ہتھیار ہوں گے۔"

"وہ نہیں بنا سکے گا۔" پروفیسر راباط مسکرایا۔

"وہ کیوں!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"اس لیے کہ ہمارے جاسوسوں نے فارمولا چراتے وقت اسے
ختم کر دیا تھا۔"

"اوہ!" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تب ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا ٹھیک ہے؟" محمود اور فاروق کے ساتھ پروفیسر راباط
اور اس کے ساتھیوں کے منہ سے بھی نکلا۔

جواب میں انسپکٹر جمشید مسکرانے لگے، پھر اچانک ان کی
مسکراہٹ غائب ہو گئی، وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے، تینوں
سائنس دان چونک کر سیدھے ہو گئے جیسے ان کا مقابلہ کرنے
کے لیے تیار ہو گئے ہوں۔

○

آخری موڑ

ٹھیک دس منٹ بعد وہ تجربہ گاہ کی چھت پر کھڑے ہیلی کاپٹر پر سوار ہو رہے تھے، انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں ایک فائل بھی تھی...

"ابا جان! فارمولا حاصل کرنے اور ڈائنا میٹ فٹ کرنے کے لیے ہمیں چار گھنٹے دیے گئے تھے، لیکن ہم تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہی فارغ ہو گئے ہیں، ظاہر ہے! ہم ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کالی آنکھ کے پڑاؤ پر پہنچ جائیں گے، کیا یہ بات انہیں شک میں نہیں ڈال دے گی اور اس طرح فرزانہ کی زندگی خطرے میں نہیں پڑ جائے گی۔" محمود نے ہیلی کاپٹر میں سوار ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں! تمہارا خیال ٹھیک ہے، لیکن تم فکر نہ کرو، میں نے اس کا حل سوچ لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور آپ جو کچھ سوچ چکے ہیں، وہ ہمیں نہیں بتائیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جب یہ بات جانتے ہی ہو تو پھر منہ کیوں بنا رہے ہو..." انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"خود بخود بن گیا ہوگا، میں نے نہیں بنایا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"یہ محاورہ ہی غلط ہے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"یہ وقت محاوروں پر بگڑنے کا نہیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"اب یہاں اور کس چیز پر بگڑا جا سکتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"کم از کم مجھ پر بگڑنے سے پرہیز کرنا۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

اسی وقت ہیلی کاپٹر اوپر اٹھنے لگا اور وہ تجربہ گاہ کی طرف متوجہ ہو گئے، تجربہ گاہ لمحہ بہ لمحہ ان کی نظروں سے دور ہونے لگی، یہاں تک کہ بالکل اوجھل ہو گئی۔

"لو بھئی! اب ایک بار پھر کالی آنکھ سے واسطہ پڑے گا۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ویسے ابا جان جب تک آپ کالی آنکھ کی چٹنی نہ بنا دیں گے، مجھے چین نہیں آئے گا۔" فاروق بولا۔

"میں چٹنیاں نہیں بناتا۔" انسپکٹر جمشید اسی کے انداز میں

بولے اور دونوں مسکرا دیے۔

"میں سچ مچ اس کی درگت بنتے دیکھنا چاہتا ہوں۔" محمود بولا۔

"وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ بھی تو معمولی آدمی نہیں ہیں۔" محمود بولا۔

"کیوں نہیں، صرف ایک انسپکٹر ہی تو ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ "اور پھر یہ تو بالکل بچوں والی بات محسوس ہوتی ہے کہ میں کالی آنکھ سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے مقابلہ کروں، فتح اور شکست صرف جسمانی ہی نہیں ہوتی، ذہنی بھی ہوتی ہے، اس نے مجھے جسمانی شکست دی ہے، ہو سکتا ہے کسی موقعے پر اس سے مقابلے کی نوبت آجائے، لیکن میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ہم دونوں میں سے کون فتح یاب ہوگا۔"

"آپ تو جیرال جیسے مجرم کا مقابلہ کر چکے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں! لیکن یہ نہ بھولو کہ کالی آنکھ جیرال سے کسی طرح کم نہیں، یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بڑھ کر ثابت ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"پھر بھی! جب تک آپ اس کا کچومر نہ نکال دیں گے،

ہمیں چین نہیں آئے گا۔" محمود بولا۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بہت اچھا! ہم بچوں جیسی باتیں نہیں کریں گے، لیکن یہ بات بھی زندگی بھر نہیں بھلا سکیں کہ کالی آنکھ نے آپ کو زبردست شکست دی تھی۔" فاروق نے کہا۔

"ابھی فتح اور شکست کا فیصلہ نہیں ہوا۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"فرزانہ اب بھی کالی آنکھ کے قبضے میں ہے، ہم اس وقت تک شکست سے دوچار ہی تو ہیں۔" محمود بولا۔

"یہ تمہارے نزدیک شکست ہو سکتی ہے، میرے نزدیک نہیں، بھول جاؤ اس بات کو اور شوخ باتیں کرو، جن پہ ہنسی آئے، مسکرانے کو جی چاہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"یہ . . . یہ آپ کہہ رہے ہیں۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! کیونکہ دس گھنٹے کا راستہ طے کرنا ہے اور وہ ایسی جلی کٹی باتیں کرتے ہوئے نہیں کٹے گا۔"

"جی بہت بہتر! اگر آپ کہتے ہیں تو ہم شوخی سے بھرپور باتیں شروع کر دیتے ہیں، فاروق! . . . کرو کوئی بات۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا بات کروں، تم ہی شروع کرو۔"

"اس کام میں تو تم ہی ماہر ہو۔"

"لیکن آج میری مہارت نہ جانے کہاں جا سوئی ہے۔"

"شاید کالی آنکھ کے پہاڑی کنویں میں سو گئی ہے جا کر۔" محمود مسکرایا۔

"پھر وہی کالی آنکھ، یہ کالی آنکھ تو بھوت کی طرح چمٹ کر رہ گیا ہے ہم سے۔"

"اس شخص نے اپنا نام کیا رکھا ہوا ہے۔"

"در اصل اس کا نام بلیک آئی ہے، ہم نے اُردو میں کالی آنکھ رکھ لیا ہے۔"

"بلیک آئی ہی سہی۔ یہ کیا نام ہوا۔"

"نام سے زیادہ یہ ایک نشان ہے، دہشت کا نشان، کالی آنکھ کے نام سے جب یہ کام کرتا ہے تو اس کے مخالف تھر تھر کانپ اُٹھتے ہیں۔"

"تو کیا ہمیں بھی تھر تھر کانپنا چاہیے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"نہ نہ .... ایسا نہ کرنا، کہیں ہیلی کاپٹر بھی نہ تھر تھرانے لگ جائے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"شروع ہو گئیں نا باتیں۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"ارے! واقعی۔ یہ تو خود بخود ہی شروع ہو گئیں۔" محمود بول اٹھا۔

"اب دیکھنا، وقت کتنی تیزی سے گزرتا ہے۔"

اور واقعی وقت جیسے پر لگا کر اڑ گیا، دس گھنٹے پورے ہو گئے، فضا کی وسعتوں میں سفر کرتے ہوئے عجیب سا احساس ہوتا رہا، حالانکہ اس سے پہلے وہ نہ جانے کتنی مرتبہ ہوائی سفر کر چکے تھے، لیکن یہ سفر حالات کے اعتبار سے عجیب ترین سفر تھا، جو اب ختم ہو رہا تھا، کالی آنکھ کا ٹھکانا نزدیک آ رہا تھا، اور پھر انسپکٹر جمشید نے یک دم ہیلی کاپٹر کی تمام لائٹیں بجھا دیں، اب ان کے چاروں طرف مکمل تاریکی تھی، آج چاند بھی نہیں نکلا تھا، مہینے کی آخری تاریکیاں تھیں، انہیں یوں لگا جیسے وہ تاریکی کی گود میں چلے آئے ہوں، اندھیرے نے انہیں نگل لیا ہو، اور اس تاریکی میں نیچی پرواز کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا، لیکن انسپکٹر جمشید ہیلی کاپٹر کو بدستور نیچے کر رہے تھے۔

○

رات کے ٹھیک ڈیڑھ بجے کالی آنکھ اور اس کے ساتھی اس جگہ آ کر کھڑے ہو گئے جہاں ہیلی کاپٹر کو آ کر فضا میں

رُکتا تھا، انہوں نے چاروں طرف دیکھا، کچھ ہی فاصلے پر ہیلی کاپٹر کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے، انسپکٹر جمشید کامیاب لوٹا ہے۔" کالی آنکھ کے منہ سے نکلا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، وقت پر لوٹ آنے کا مطلب تو یہی ہے۔" اس کے نزدیک کھڑے ساتھی نے کہا۔

"ہم اس سے صرف فارمولا حاصل کریں گے، اس کی بیٹی اسے واپس نہیں کریں گے۔" کالی آنکھ نے سفاک لہجے میں کہا۔

"یہ . . . یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"اگر ہم نے اس کی بیٹی واپس کر دی تو یہ ہم سے انتقام لینے کا پروگرام بنائے گا اور میں غیر ضروری اُلجھنوں میں پھنسنا پسند نہیں کرتا، لہذا یا تو یہ بیٹی کے بغیر ہی واپس چلا جائے گا، اور اگر بیٹی کو حاصل کرنے کے لیے نیچے اُترا تو خود بھی مارا جائے گا۔"

"لیکن وہ بیٹی کے بغیر جانا پسند نہیں کرے گا۔" ساتھی نے کہا۔

"تب ہم اسے اور اس کے دونوں بیٹوں کو بھی اس کی بیٹی کے پاس پہنچا دیں گے ہا ہا ہا۔" یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا، اسی وقت ہیلی کاپٹر ان کے عین سروں پر آکر رُک

گیا اور انسپکٹر جمشید کا سر باہر نکلتا نظر آیا۔

"مسٹر کالی آنکھ! ہم فارمولا لے آئے ہیں، اب تم میری بیٹی کو اس کنوئیں سے نکال کر یہاں لے آؤ۔" انہوں نے کہا۔

"بہت خوب! لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم فارمولا لے ہی آئے ہو۔"

"یہ دیکھو۔ یہ رہا۔" انہوں نے فائل باہر نکال کر دکھائی۔

"یہ صرف ایک فائل بھی ہو سکتی ہے۔" کالی آنکھ نے کہا۔

"تم جانتے ہو، ہم یہاں سے خالی ہاتھ روانہ ہوئے تھے اور فائلیں فضا میں پڑی نہیں مل جاتیں۔"

"تو پھر پہلے ہم فائل کو دیکھ کر اپنا اطمینان کریں گے، اس کے بعد تمہاری بیٹی کو تمہارے حوالے کریں گے۔" کالی آنکھ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"پہلے تمہیں میری بیٹی کو میرے حوالے کرنا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں گرجے۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" کالی آنکھ نے کہا۔

دونوں طرف موت کی سی خاموشی چھا گئی، شاید وہ سوچ میں پڑ گئے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ آخر انسپکٹر جمشید ہی بولے۔

"ٹھیک ہے، اس وقت میں مجبور ہوں، فارمولا تمہارے حوالے کیے دیتا ہوں، مجھے امید ہے کہ تم اپنا وعدہ پورا کرو گے اور فرزانہ کو میرے حوالے کر دو گے۔"

"بے فکر رہو، ایسا ہی ہو گا۔" کالی آنکھ نے کہا۔

اس کا جملہ ختم ہوتے ہی انسپکٹر جمشید نے فائل ہیلی کاپٹر سے نیچے گرا دی جسے کالی آنکھ نے دبوچ لیا، ٹارچ کی روشنی میں اس نے فائل کو الٹ پلٹ کر چند لمحوں تک غور سے دیکھا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے، فائل وہی ہے۔ . . . بہت خوب انسپکٹر جمشید، تمہارے بارے میں جیسا سنا تھا، اس سے بڑھ کر پایا، اب تم واپس جا سکتے ہو۔"

"اور فرزانہ؟" انسپکٹر جمشید نے تقریباً چلّا کر کہا۔

"اسے اب بھول جاؤ، زندگی میں کبھی نہیں دیکھ سکو گے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید دھاڑے۔

"اگر نہیں ہو سکتا تو پھر ہیلی کاپٹر سے نیچے اتر آؤ اور ہم سے مقابلہ کر لو، اگر یہاں سے بیٹی کو لے جا سکتے ہو تو لے جاؤ۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا اور پھر وہ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے ان پر سکتہ طاری ہو گیا ہو، آخر کافی

دیر بعد ان کے منہ سے نکلا۔

"اچھا مسٹر آنکھ کالی! ہم اس وقت تو واپس جا رہے ہیں، لیکن بہت جلد واپس آئیں گے اور فرزانہ کو تمہارے پنجے سے چھڑا کر لے جائیں گے۔"

"مجھے یقین تھا، تم یہی فیصلہ کر دو گے۔" کالی آنکھ نے ہنس کر کہا۔

"ہم پوری تیاری کر کے آئیں گے۔"

"ضرور آنا اور اس پہاڑی کنویں میں اپنی بیٹی کو تلاش کر لینا، کیونکہ ہم تمہیں یہاں نہیں ملیں گے۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"جس چیز کی خاطر یہ چکر چلایا تھا، حاصل کر چکے ہیں، اب یہاں رکنے کی کیا ضرورت ہے، اتنی فرصت نہیں کہاں کہ تمہاری بیٹی کو بھی نکال کر لے جائیں۔"

"تو پھر ابھی اسے کیوں ہمارے حوالے نہیں کر دیتے۔ . .!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تمہاری بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتا ہوں۔" کالی آنکھ نے ہنس کر کہا۔

"خیر! تمہاری مرضی۔ میں کل کسی وقت یہاں سے آ کر فرزانہ کو لے جاؤں گا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے

ہیلی کاپٹر کو اوپر اٹھانا شروع کر دیا، کالی آنکھ اور اس کے ساتھی کھڑے اسے دیکھتے رہے، کافی اونچائی پہ جا کر انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا۔

"ابھی کوئی کچھ نہ بولے!"

○

تھوڑی دیر تک ہیلی کاپٹر اوپر اٹھتا رہا اور پھر ان کے ملک کی طرف پرواز کرنے لگا، تب کہیں جا کر انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! اب تم لوگ بات کر سکتے ہو۔"

"میں اس وقت محمود اور فاروق کو بات کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گی، کیونکہ حالات سے مکمل طور پر بے خبر ہوں، سب سے پہلے آپ مجھے مختصر طور پر بتائیں، یہ کیسے ہوا، اس کے بعد ہی محمود اور فاروق زبان کھولیں گے۔" فرزانہ کی شوخ آواز ہیلی کاپٹر کے اندر گونجی۔

"ہمیں تم سے اجازت لینے کی ضرورت بھی کیا ہے اور زبان کھولنے کی بھی کوئی خواہش نہیں، کیونکہ ہم تو سب کچھ جانتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اس وقت صورت حال یہ ہے کہ کالی آنکھ کے خیال میں تم ابھی تک پہاڑی کنوئیں میں ہو اور وہ فارمولا واپس حاصل کر

چکا ہے، جب کہ میرا دعوےٰ یہ ہے کہ اسے مکمل طور پر شکست ہو چکی ہے، مزے کی بات یہ کہ اس شکست کا پتا بھی اسے فوری طور پر نہیں لگے گا۔"

"تفصیل بتائیے ابا جان، میری بے تابی بڑھتی جا رہی ہے۔"

"بہت اچھا بیٹی! سنو۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے کالی آنکھ سے ملاقات اور فارمولے کے حاصل کرنے کے مطالبے کے بارے میں بتایا اور اس کے بعد کہنے لگے۔

"ہم یہاں سے ہیلی کاپٹر میں روانہ ہوئے، کالی آنکھ کے بیان کے مطابق فاصلہ دس گھنٹے کا تھا، میں نے یہ فاصلہ دس گھنٹوں سے کم میں طے کرنے کی کوشش کی، لیکن جب ہم اس عمارت کے نزدیک پہنچے تو پتا چلا کہ انتہائی رفتار پہ سفر کر کے ہی فاصلہ دس گھنٹے میں طے ہوا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ واپسی میں بھی دس گھنٹے ہی لگیں گے، اب ہمارے پاس درمیان والے چار گھنٹے تھے، میں نے ان چار گھنٹوں میں سے کچھ وقت بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ عمارت کے اندر داخل ہونا مشکل ثابت نہیں ہوا، کیونکہ میں نے ہیلی کاپٹر کی تمام لائٹیں روشن کر دی تھیں اور وائرلیس پہ سائنس والوں کو بتا دیا تھا کہ ہم دوست ہیں، چنانچہ ہم ان تک پہنچ گئے اور جب میں نے انہیں بتایا کہ ہمیں کالی آنکھ نے بھیجا ہے اور فارمولا واپس حاصل کرنے آئے ہیں تو

وہ بوکھلا گئے، لیکن پھر میں نے انہیں اپنا پروگرام بتایا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے خاموش ہو گئے۔

"اور وہ پروگرام کیا تھا؟" فرزانہ نے بے تابی کے عالم میں پوچھا۔

"میں نے ان سے کہا کہ فارمولے کی فوٹو سٹیٹ کاپی فوری طور پر تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیں اور اصل مسودے میں کوئی ایسی تبدیلی کر دیں جو کالی آنکھ کے منصوبے کی موت ثابت ہو، بات ان کے ذہن میں آ گئی، انہوں نے ایسا ہی کیا، فارمولے میں تبدیلی کرنے کے سلسلے میں تینوں سائنس دان سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور صرف ڈیڑھ گھنٹے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، انہوں نے تبدیلی کرنے کے بعد فارمولا میرے حوالے کر دیا، رخصت ہوتے وقت میں نے انہیں یقین دلایا کہ اس سلسلے میں مدد کرنے کے بعد اب دونوں ملک دوست ہو گئے ہیں اور بہت جلد یہ دوستی پختہ ہو جائے گی۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

"لیکن کالی آنکھ کے ملک کے سائنس دانوں کو اس تبدیلی کا پتا چل جائے گا۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"نہیں چلے گا، فارمولا ٹائپ میں تھا، انہوں نے چند الفاظ کا ٹائپ میں ہی اضافہ کر دیا ہے، لہٰذا پتا چلنے کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور صبح جب میں انہیں پہاڑی کنوئیں میں نہیں ملوں گی تو انہیں شک نہیں ہو جائے گا۔" فرزانہ بولی۔

"کالی آنکھ رات اس جگہ نہیں گزارے گا، فارمولا حاصل کرنے کے بعد وہ فوری طور پر یہاں سے اپنے آدمیوں سمیت رخصت ہو جائے گا، یہ سوچ کر کہ صبح جب ہم تمہیں حاصل کرنے کے لیے اس کے ملک میں داخل ہوں گے تو غیر قانونی طور پر داخل ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیے جائیں گے۔۔۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اور اب چونکہ فرزانہ کے سوالات ختم ہو گئے ہیں، لہٰذا ایک دو سوال ہم بھی کریں گے۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں ہاں! ضرور۔"

"وہ سوٹ کیسوں والے کون تھے، پھر نظر نہیں آئے۔"

"کالی آنکھ کے جاسوس۔۔۔ وہ اب بھی ہمارے ملک میں ہی کہیں ہوں گے اور عنقریب ان سے ملاقات ہو گی۔" انہوں نے کہا۔

"جی — ملاقات ہو گی؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! تم ایک بات بھول گئے، جب کالی آنکھ کے ملک کے سائنس دان اس فارمولے پر عمل کریں گے اور ایجاد کو

عملی شکل میں لانے کی کوشش کریں گے تو ان کی تجربہ گاہ
بھک سے اڑ جائے گی اور اس وقت کالی آنکھ کو معلوم
ہوگا کہ دراصل اسے تو شکست ہوئی تھی، وہ جھلا اُٹھے گا
اور ہمارے پاس دوڑا آئے گا، اس وقت وہ ان سوٹ
کیس والوں سے بھی کام لے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک بار پھر نکلا۔

"لیکن ابا جان! کالی آنکھ کو تو اپنی شکست کا پتا پہلے ہی
مل چکا ہوگا۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"وہ کیسے؟"

"جب میں پہاڑی کنویں میں نہ ملوں گی اور آپ بھی اس کے
ملک میں داخل ہونے کے جرم میں گرفتار نہیں ہوں گے تو کیا
وہ سمجھ نہیں جائے گا۔"

"نہیں! صبح جب تم پہاڑی کنویں میں نہیں ملو گی تو وہ
سمجھ جائے گا کہ ہم رات ہی کو واپس لوٹ آئے تھے اور ہیلی
کاپٹر کے ذریعے اس کنویں میں اُتر گئے ہوں گے، حالانکہ ہم
اس سے دوبارہ ملاقات سے پہلے ہی تمہیں اس کنویں سے نکال
چکے تھے، اور یہ چیز اس طرح ہماری سمجھ میں آئی تھی کہ انہوں
نے کنویں میں دھوئیں کا بم پھینکا تھا، تاکہ ہم بے ہوش
ہو جائیں... اور وہ ہیلی کاپٹر کنویں میں اتار کر مجھے، محمود

اور فاروق کو اوپر لے جا سکیں، اگر بے ہوش نہ کرتے، تو
ان کے خیال میں ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کنویں سے کیسے نکلا جا
سکتا ہے، جب کہ محمود اور فاروق بھی یہ سمجھ گئے تھے کہ
دھوئیں کا بم کیوں پھینکا گیا تھا اور اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ
ہوگا کہ اس کے ملک کے سائنس دان فارمولے پہ کام کریں
گے اور وہ پوری عمارت بھک سے اڑ جائے گی، اس وقت کالی
آنکھ کو معلوم ہوگا کہ دراصل اس کی فتح نہیں ہوئی تھی شکست
ہوئی تھی۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات!" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"اور جب کالی آنکھ کو یہ معلوم ہوگا تو وہ انتقام لینے کے لیے
ہمارے ہاں دوڑا آئے گا۔" محمود بولا۔

"بالکل! وہ انتقام لینے کے لیے ضرور آئے گا۔" انسپکٹر جمشید
مسکرائے۔

"ہم سوچ رہے تھے، یہ کالی آنکھ بھی کس قدر خوفناک آدمی
ہے، لیکن آپ تو شاید اس سے بھی خوفناک ہیں، جنہوں نے
صرف ذہن سے کام لے کہ اتنی بڑی سکیم کو بُری طرح ناکام کر
دیا۔" فاروق نے کہا۔

"ہائیں! میں تمہیں خوفناک دکھائی دیتا ہوں۔"
انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا اور ساتھ ہی فاروق کے ایک دھپ

رسید کر دی، لیکن وہ تیزی سے نیچے جھک گیا اور ان کی دھپ محمود کے گال پر پڑی، محمود جھلا گیا، اس نے بلا کی تیزی سے فاروق کے سر پر ایک ہاتھ دیا، فاروق اس بار پھر وار بچا گیا اور محمود کا ہاتھ فرزانہ کے شانے پر پڑا۔ دونوں بڑی طرح جھلا گئے اور اگر انسپکٹر جمشید ہائیں ہائیں یہ کیا کر رہے ہو نہ کہہ اٹھتے تو شاید وہ ہیلی کاپٹر کے اندر ہی فاروق پر ٹوٹ پڑتے، محمود اور فرزانہ جہاں تہاں رُک گئے، تاہم محمود نے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ہیلی کاپٹر کو زمین پر اُتر لینے دو، پھر تم سے سمجھیں گے۔"

"ابا جان! مہربانی فرما کر ہیلی کاپٹر کو زمین پر نہ اتاریے گا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا آسمان پر اتاروں؟" انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں! بس گھر کے اوپر فضا میں ہی روک لیجیے گا، ہم رسی کی سیڑھی سے اُتر جائیں گے۔" فاروق نے بے پناہ معصومیت سے کہا اور انہیں بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

ان کا وطن لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہا تھا۔